وَاِنَّ مِنْ اَھْلِ الْکِتَابِ لَمَنْ یُّؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ وَمَا اُنْزِلَ اِلَیْھِمْ

سلسلۂ دار المصنفین

اہلِ کتاب صحابہؓ و تابعینؒ

جس میں

ترانوے ۹۳ ایسے صحابہؓ، صحابیاتؓ، تابعین اور تابعاتؒ کے سوانح اور کارنامے درج ہیں، جو مذہباً یہودی یا نصرانی تھے، اور مشرف بالاسلام ہوئے۔ شروع میں ایک مقدمہ ہے، جس میں جزیرۂ عرب میں یہود و نصاریٰ کی قدیم تاریخ، ان کے تمدنی و سیاسی اثرات اور ان کی دینی و اخلاقی حالت کی تفصیل بیان کی گئی ہے،

مُرتّبہ

مولوی حافظ مجیب اللہ صاحب ندوی رفیق دار المصنفین

ISBN - 969 - 37 - 0500 - 9

طبع اوّل ——————— ۱۹۸۹ء

کوڈ نمبر ڈی ایم آر پی / آئی ۱۸۶ / ۱۰۰۰

این بی ایف اشاعت ——— ۱۹۸۹ء

مطبع ——————— عالمین پبلیکیشنز پریس
۱۰/۲۲، ریٹیگن روڈ،
ہجویری پارک، لاہور

،۸۶

فہرست مضامین

اہل کتاب صحابہؓ وتابعینؒ

فہرست اسماء

شمار	اسمائے گرامی	صفحہ
	صحابہؓ	
	(الف)	
۱	حضرت ابرہہؓ	
۲	حضرت ادریسؓ	
۳	حضرت اسید بن سعیدؓ	
۴	حضرت اسد بن عبیدؓ	
۵	حضرت اسد بن کعب القرظیؓ	
۶	حضرت اسید بن کعب القرظیؓ	
۷	حضرت اشرف حبشیؓ	
	(ب)	
۸	حضرت بحیرا الحبشیؓ	
۹	حضرت بشیر بن معاویہؓ	
	(ت)	
۱۰	حضرت تمامؓ	
۱۱	حضرت تمیم الحبشیؓ	
۱۲	حضرت تمیم داریؓ	
	(ث)	
۱۳	حضرت ثعلبہ بن سعیتہ الہدلیؓ	
۱۴	حضرت ثعلبہ بن سلامؓ	
۱۵	حضرت ثعلبہ بن قیسؓ	
۱۶	حضرت ثعلبہ بن ابی مالکؓ	
	(ج)	
۱۷	حضرت جارود بن عمروؓ	
۱۸	حضرت جبرؓ	
۱۹	حضرت جیلؓ	
	(ح)	
۲۰	حضرت حیر نجرہؓ	
	(د)	
۲۱	حضرت درید الراہبؓ	
	(ذ)	
۲۲	حضرت ذو دجنؓ	
۲۳	حضرت ذو مخمرؓ	
۲۴	حضرت ذو مناحبؓ	

پیش لفظ

(از مولانا عبدالماجد دریابادی)

موضوع کی ندرت یقین ہے کہ ہر پڑھنے والے کے لیے دلکش ثابت ہو گی، کس کو خیال تھا کہ یہ بھی موضوع کسی مستقل کتاب کا بن سکتا ہے؟

فاطر کائنات کے انعامات اور نوازشیں کسی خاص عہد و زمانہ تک محدود نہیں صدیوں پر صدیاں گزر گئیں، صحابیوں پر بہتر سے بہتر اور کیسی کیسی جامع کتابیں مرتب ہوگئیں۔ اس پہلو کی طرف کسی کا ذہن بھی منتقل نہ ہوا، کہ جو اہل کتاب میں سے صحابہ ہوئے ہیں، مخصوص ان کا تذکرہ یکجا کر دیا جائے، یہ سعادت چودہویں صدی ہجری کے وسط کے عہد کے ایک فرزند ندوہ کے لئے اُٹھا رہی تھی،

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ،

خیال کو عمل میں لانا آسان نہ تھا کتنی ہی کتابیں غور و استیعاب کے ساتھ پڑھنی پڑیں، اور پھر بھی حالات و تفصیلات خاطر خواہ بہم نہ پہنچ سکے، سمندر کے کھنگالنے پر جتنے بھی موتی ہاتھ آ گئے یہی بہت غنیمت ہیں، ۶۳ صحابی، صحابیات ۱۳ تابعی، ۴ تابعات کے نام اور کم و بیش حالات فراہم ہو جانا کچھ تھوڑی دیر بات نہ ہوئی، فرط احتیاط سے مؤلف سلمہٗ خود ہی کچھ رُک گئے ورنہ چند نام تو اور اس فہرست میں بڑھ سکتے تھے،

دنیا کس طرف جا رہی ہے، روشن خیال دنیا، قلم ہاتھ میں لئے ہوئے، نفس پرستی

کے کیسے کیسے نئے عنوانوں کی طرف ہر روز لپک رہی ہے؟ اور کچھ اللہ کے بندے، اللہ اور رسول کے نام کے دیوانے اب بھی ایسے پڑے ہوئے ہیں، کہ دن رات، اللہ والوں اور اللہ والیوں ہی کے حالات کی ادھیڑ بن میں لگے ہوئے ہیں، نفع خوری اور صلۂ عاجل حاصل ہو یا نہ ہو، "اجر غیر ممنون" کی توقع انھیں بنائے رکھنے کے لیے کافی ہے،

شروع کتاب میں عرب میں یہودیت ونصرانیت کی اجمالی تاریخ اور جغرافی نقشے بڑے کام کی چیزیں ہیں۔ —— رسالہ بحیثیت مجموعی "بہ قامت کمتر" ہونے کے ساتھ صحیح معنی میں "بہ قیمت بہتر" ہے اور بڑی خوشی کی بات ہے، کہ اس کی طبع و اشاعت کا سامان بھی اسی ادارہ کی طرف سے ہو رہا ہے، جو سیرت صحابہ کے سلسلہ میں خدمات خصوصی کا امتیاز حاصل کئے ہوئے ہے،

۲۰ راپریل ۱۹۵۱ء

دیباچہ

وجہ تصنیف ندوہ کی تعلیم کا آخری سال تھا، علامہ زمخشری کی کشاف میں تفسیر سورۂ آل عمران درس میں تھی، مومنین اہل کتاب کے متعلق جب کوئی آیت سامنے آتی تو اس کے شانِ نزول اور مصداق کے سلسلہ میں بار بار حضرت عبداللہ بن سلامؓ یا ایک دو اور صحابی کا نام آتا، جب سورہ کی آخری آیت

وَاِنَّ مِنْ اَھْلِ الْکِتَابِ لَمَنْ	اہل کتاب میں سے بعض ہیں جو اللہ پر ایمان
یُّؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ	لاتے ہیں اور جو کتاب تمھاری طرف نازل کی
وَمَا اُنْزِلَ اِلَیْھِمْ	گئی (قرآن) اور جو کتاب ان کی طرف نازل
(الآیۃ)	کی گئی اس پر یقین رکھتے ہیں،

کی تفسیر شروع ہوئی تو حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے ساتھ اصحمۃ النجاشی، اور حبشہ اور نجران کے وفود کا ذکر بھی آیا، اس وقت میرے دل میں یہ سوال پیدا ہوا کہ تفسیر کی جتنی کتابیں اب تک نظر سے گزر چکی ہیں، ان سب میں یہ چیز مشترک ہے کہ مومنین اہل کتاب کا ذکر آتا ہے، تو ارباب تفسیر دو چار مخصوص اہل کتاب صحابہ کے علاوہ کسی اور کے نام کا ذکر نہیں کرتے، تو آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ میں نے اپنی اس خلش کا اظہار حضرت الاستاد جناب مولانا شاہ حلیم عطا صاحب سے کیا، انھوں نے مذکورہ ناموں کے علاوہ دو چار اور نام بتائے، اس وقت میں خاموش ہو گیا، اتفاق سے اسی روز یا اس کے دوسرے روز بخاری شریف کے درس میں یہ حدیث

لو امن بی عشرۃ من الیھود	اگر دس یہود بھی مجھ پر ایمان لاتے تو
لامن بی الیھود	ان کی کافی تعداد ایمان لے آتی،

سامنے آئی (حضرت شاہ صاحب ہی کے یہاں بخاری کا درس بھی تھا) میں نے ان سے پھر دریافت کیا، کہ کیا دس یہود بھی اسلام نہیں لائے تھے؟ یہ تو اسلام کی بڑی ناکامیابی اور بے اثری کی دلیل ہے، کہ اس نے اہل کتاب میں کوئی مقبولیت حاصل نہیں کی، جبکہ وہ اس سے بڑی حد تک قریب بھی تھے[1] شاہ صاحب نے ارشاد فرمایا کہ اس سے بہت زیادہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ ایمان لائے تھے، اس حدیث میں عام یہود نہیں، بلکہ علماء اور خواص مراد ہیں[2] اس جواب سے گو تھوڑی سی تسکین ضرور ہوگئی، لیکن پورے طور پر میری خلش رفع نہیں ہوئی، اور بالآخر عہد طالب علمی کی یہی خلش اس کتاب کی تصنیف کا باعث ہوئی،

ندوہ کی تعلیم کے ختم کرنے کے بعد جب میں دارالمصنفین آیا، تو رہ رہ کر خلش مجھے بے چین کرتی تھی، اتفاق سے ایک دن ابن ہشام دیکھ رہا تھا کہ غزوہ بنی قریظہ اور غزوہ بنی نضیر کے سلسلہ میں دو چار اہل کتاب صحابہ کے ناموں پر نظر پڑی، اس سے مجھے مزید تسکین ہوئی، میں نے استاذ الاساتذہ حضرت سید صاحب قبلہ سے دریافت کیا، کہ کیا اہل کتاب صحابہ کے حالات کہیں یکجا مل سکتے ہیں؟ انھوں نے فرمایا کہ یکجا تو نہیں ملیں گے، ہاں ابن ہشام سہیلی اور دوسری سیر کی کتابوں کا مطالعہ کرو تو متفرق طور پر ان کے نام اور حالات مل جائیں گے، میں نے تلاش و جستجو شروع کر دی، بہت دنوں تک مغازی و سیر کی کتابوں کی ورق گردانی کرتا

---

[1] بعد میں یہ علم ہوا کہ اسی حدیث کی پیش نظر بعض مستشرقین خصوصیت سے تاریخ الیہود کے مصنف اسرائیل ولفنسون نے یہ ثابت کیا ہے کہ یہود میں اسلام بہت زیادہ غیر مقبول رہا، (ص ۱۳۷)

[2] یہی جواب عام شراح حدیث حافظ ابن حجرؒ وغیرہ نے دیا ہے واقعات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ چند سرداران یہود ہی عام یہود کے حلقہ بگوش اسلام ہونے میں سد راہ بنے رہے حافظ ابن حجرؒ نے ان کے نام بھی لکھے ہیں

رہا، لیکن میں نے اپنے ذہن میں جو طویل خاکہ بنایا تھا، اس میں رنگ بھرنے کا خاطر خواہ سامان
ان کتابوں سے بہم نہ پہنچ سکا پھر یہ خیال پیدا ہوا کہ طبقات و رجال کی کتابیں دیکھی جائیں، پہلے
تو اس بحر زخار میں گوہر مقصود کی تلاش پر طبیعت آمادہ نہیں ہوئی، لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے ہمت
عطا فرمائی اور تحقیق و تلاش شروع کر دی، برسوں کی محنت و جانفشانی کے بعد جو کچھ حاصل ہو سکا،
وہ پیش کش ناظرین ہے،

مآخذ سیر کی کتابوں کے بعد رجال کی کتابوں میں سب سے پہلے حافظ ذہبی کی تجرید
اسماء الصحابہ، شروع سے آخر تک پڑھی، پھر استیعاب اور اسد الغابہ، اور ان سب کے بعد اصابہ
کی ورق گردانی کی، اس سلسلہ میں قبائل اور مقامات کی تحقیق کی ضرورت پڑی، تو اس کے لیے
کتاب الانساب سمعانی اور معجم البلدان کی طرف رجوع کیا گیا،

شروع میں تو یہ کتاب اہل کتاب صحابہ کے حالات تک محدود تھی، لیکن جب میں
نے اصابہ کا بالاستیعاب مطالعہ شروع کیا تو اس میں بعض اہل کتاب تابعین کے ناموں پر
بھی نظر پڑی جن کو میں جمع کرتا گیا، چونکہ یہ تھوڑے تھے، اس لیے ان کو بھی اس کتاب کے
آخر میں شامل کر دیا گیا،

جن بزرگوں کے اہل کتاب ہونے میں شبہ ہے، بعض قبائل کے متعلق تصریح ہے کہ وہ یہودی یا نصرانی تھے
لیکن جب تک اس قبیلہ کے کسی بزرگ کے متعلق مخصوص طور
پر معلوم نہیں ہو گیا کہ وہ اہل کتاب میں سے تھے، اس وقت تک ان کو اس فہرست میں نہیں
لیا گیا، مثلاً بنو تغلب کے متعلق اسد الغابہ میں تصریح ہے کہ

لان بنی تغلب کانوا نصاری (ج ۱ ص ۱۵) اس لیے کہ بنو تغلب نصاریٰ تھے۔

اسد الغابہ ہی میں دوسری جگہ ہے،

ان کثیرا من العرب قد تنصر کتغلب (ج ۵ ص ۱۲۲) بہت سے عربی قبائل عیسائی ہو گئے تھے مثلاً تغلب
لیکن بہت سے تغلبیوں کو اس فہرست میں اس لیے نہیں لیا گیا ہے کہ خاص طور پر ان

کے عیسائی ہونے کی کوئی تصریح نہیں مل سکی۔

اسی طرح حضرت تمیمؓ داری شام کے رہنے والے تھے، اور شام میں عموماً عیسائی ہی آباد تھے، حضرت تمیمؓ جب خدمت نبوی میں آئے تو ان کے اہل خاندان کا ایک وفد بھی ان کے ساتھ تھا، لیکن ان سب میں صرف حضرت تمیمؓ اور ان کی ایک عزیزہ کو اس فہرست میں لیا گیا اس لیے کہ دوسروں کے عیسائی ہونے کی کوئی تصریح نہیں مل سکی،

اسی طرح مصر کے قبطی عام طور پر عیسائی تھے لیکن بہت سے قبطی صحابہ کو اس لیے چھوڑ دیا گیا کہ ان کی قومی نسبت کے علاوہ اور کوئی ثبوت ان کے عیسائی ہونے کا نہیں مل سکا،

۱ ابوہند الداری — یہ حضرت تمیمؓ داریؓ کے چچازاد بھائی تھے معلوم نہیں انھوں نے عیسائیت قبول کی تھی یا نہیں،

۲ احمد بن عبداللہ بن سلام — ان کا تذکرہ ابن ندیم نے کیا ہے[1] لیکن رجال کی کتابوں میں حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے دو صاحبزادوں حضرت یوسف اور حضرت محمد کا نام تو مذکور ہے جو شرف صحابیت سے بھی بہرہ ور ہے لیکن احمد نام کے کسی صاحبزادہ کا تذکرہ نہیں مل سکا، ہو سکتا ہے کہ یہ محمد کی تصحیف ہو، واللہ اعلم،

۳ تبیع بن امراۃ کعب الاحبار — یہ کعب احبار کے ربیب تھے،

۴ ذکوان بن یامین — ان کے اسلام میں اختلاف ہے،

---

[1] ابن ندیم ص ۳۳

۵ سلمہ بن سعد — اصحابہ میں ہے کہ یہ حضرت شعیبؑ کی قوم سے تھے

۶ سلمہ بن عیاض — ان کے اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ یہ اہل کتاب میں تھے لیکن تصریح نہیں ملتی،

۷ فیروز الدیلمی — کسریٰ کے اسیر تھے، ممکن ہے کہ رومی عیسائی ہوں

۸ ابن التیہان — ابن ندیم نے ان کو اہل کتاب میں شمار کیا ہے[1] اگر اس سے مراد ابو الہیثم بن التیہان ہیں، تو وہ اہل کتاب میں نہیں بلکہ انصاری تھے اور اگر کوئی اور ابن التیہان ہیں تو کتب رجال میں ان کا تذکرہ نہیں ملتا،

۹ ام المہاجر الرومیتہ — رومیہ کی نسبت کی وجہ سے ان کے عیسائی ہونے کا امکان ہے،

۱۰ ابن جریج تابعی — تذکرہ الحفاظ وغیرہ میں ان کو رومی بتایا گیا ہے چنانچہ اسی بنا پر صاحب فجر الاسلام نے ان کو نصرانی لکھا ہے[2] لیکن اس قومی نسبت کے علاوہ ان کے عیسائی ہونے کا اور کوئی ثبوت رجال کی کتابوں میں نہیں مل سکا اس لیے ان کا نام اس فہرست میں لیا گیا ہے،

۱۱ ابنتہ عم صفیہ — ابن سعد نے طبقات میں اور امام محمد نے السیر الکبیر میں ان کا تذکرہ کیا ہے امام محمد نے لکھا ہے کہ

---

[1] ابن ندیم ص ۳۳ [2] ر[illegible] ص ۲۴۶

غزوہ خیبر میں حضرت صفیہؓ اور ان کی ایک چچازاد
بہن گرفتار ہوئیں، حضرت صفیہؓ حضرت دحیہؓ کلبی کے
حصہ میں آئی تھی، مگر بعض اہم مصالح کے ماتحت آپ
نے ان کو ان سے واپس لے لیا، اور ان کے بجائے
ان کی چچازاد بہن کو انہیں دے دیا، چونکہ ان
کے اسلام لانے کا کوئی تذکرہ موجود نہیں ہے،
اس لیے ہم نے ان کا ذکر اس فہرست میں نہیں
کیا ہے (السیر الکبیر ج ۱ ص ۱۸۷)

حبشہ کے وفد میں عیسائیوں کی ایک بڑی تعداد خدمت نبوی میں حاضر ہوئی اور مشرف
باسلام ہوئی، اس کے علاوہ نعیم الحبر کے ہاتھ پر جن کا تذکرہ آچکا ہے چالیس علماء یہود نے
اسلام قبول کیا تھا، لیکن افسوس ہے کہ ان کے حالات کیا پورے نام بھی سیر و رجال کی کتابوں
میں نہیں ملتے،

ترتیب اور ناموں کی تعداد کتاب میں پہلے صحابہ کے حالات حروف تہجی کے اعتبار
سے درج ہیں، پھر اسی ترتیب سے تابعین اور ان کے بعد صحابیات اور پھر تابعات کا
تذکرہ کیا گیا ہے،

پوری کتاب میں ترلیسٹھ ۶۳ صحابہ، سات صحابیات اور تیرہ ۱۳ تابعین اور دو ۲ تابعات کے حالات
درج ہیں، جن میں سے صحابہ میں ۳۹ یہودی اور ۲۴ عیسائی اور تابعین میں ۴ یہودی اور ۹ نصرانی اور
صحابیات میں ۴ یہودیہ اور ۳ نصرانیہ اور تابعات میں ایک عیسائی اور ایک یہودی ہیں،

کتاب کے شروع میں ایک مقدمہ ہے جس میں جزیرۂ عرب کے یہود و نصاریٰ کی تاریخ
اور ان کے سیاسی، تمدنی اور اخلاقی حالات پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے آخر میں ایک نقشہ بھی ہے
جس میں ان کے مرکزی مقامات اور قبائل کا جائے وقوع دکھایا گیا ہے،

خادم
مجیب اللہ ندوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

کتاب میں بہت سے مقامات اور قبائل کے نام اور یہود و نصاریٰ کی تمدنی اور اخلاقی حالت اور ان کے قبول اور عدم قبول اسلام کے سلسلہ میں متعدد واقعات ایسے سامنے آئیں گے جن کے سمجھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ جزیرہ عرب کے یہود و نصاریٰ کی تاریخ پر ایک نظر ڈال لی جائے تاکہ موضوع کا پورا پس منظر سامنے آجائے، اور کتاب کے بعض گوشے جو اس کے بغیر تشنۂ بیان رہ جائیں، وہ واضح ہوجائیں، اسی ضرورت کے ماتحت یہاں یہود و نصاریٰ کی تمدنی، مذہبی اور اخلاقی حالت کا ایک مختصر خاکہ پیش کیا جاتا ہے لیکن چونکہ اس میں قصداً استقصا اور استیعاب کے بجائے اختصار سے کام لیا گیا ہے، اس لیے ممکن ہے کہ موضوع کے بعض پہلو پورے طور پر سامنے نہ آسکیں، اس سلسلہ میں اگر کوئی فروگذاشت ہوئی ہو تو اہل علم سے درخواست ہے کہ وہ مجھے اس پر متنبہ فرما کر ممنونِ کرم فرمائیں،

وفوق کل ذی علم علیم۔

عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ اسلام سے پہلے جزیرہ عرب کے باشندوں کا دنیا کے دوسرے ملکوں اور قوموں سے کوئی خاص تعلق نہیں تھا، اور نہ انہوں نے کسی ملک یا کسی قوم کا کوئی اثر قبول کیا تھا لیکن جزیرہ عرب کی تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات صحیح نہیں معلوم ہوتی، بلکہ اس کے برعکس یہ پتہ چلتا ہے کہ عربوں کے سیاسی، تمدنی اور تجارتی ہر قسم کے تعلقات ان کے پڑوسی ملکوں اور قوموں سے تھے، اور قوموں کے آپس کے اختلاط و ارتباط اور ان کے باہمی سیاسی

اور تمدنی تعلقات کے جو اثرات ایک دوسرے پر پڑتے ہیں، وہ سب اہل عرب پر بھی پڑے تھے،

عربوں اور دوسرے ملکوں اور قوموں میں باہم اختلاط اور تعلقات کے تین بڑے ذریعے یہ تھے،

(۱) تجارت (۲) ایران و روم کے ماتحت عربوں کی سرحدی حکومتیں یعنی غسان اور حیرہ وغیرہ (۳) یہودیت اور نصرانیت، پہلی دونوں شقیں ہمارے موضوع سے خارج ہیں، اس لیے صرف تیسری شق کے متعلق کچھ تفصیل ہم پیش کرتے ہیں، اس میں دکھانا ہے کہ جزیرۃ العرب میں ان مذاہب کی ابتداء کب سے ہوئی، اور ان کو یہاں کیا کامیابی حاصل ہوئی، کن قبائل نے انہیں قبول کیا، اور ان کے مرکزی مقامات کون کون سے تھے، اور عہد جاہلیت میں عربوں کی مذہبی اور تمدنی زندگی پر ان قبائل کا کیا اثر پڑا، اور پھر اسلام کے بعد مسلمانوں پر ان کے کیا اثرات پڑے، اور انھوں نے مسلمانوں سے کیا اثرات قبول کئے، پھر مجملاً یہ بھی ذکر آئے گا، کہ ظہور اسلام سے پہلے اور اس کے بعد ان کی اخلاقی حالت اور ذہنی سطح کیا تھی، اور قرآن مجید نے اس کے متعلق کیا اشارات کئے ہیں،

موخر الذکر شق میں سے بھی پہلے ہم یہودیت اس کے بعد نصرانیت کی تاریخ بیان کریں گے،

یہودیت | جزیرہ عرب میں یہود[1] کی تاریخ دو دوروں پر منقسم ہے، پہلا دور ۵۸۰ ق،م جسے

---

[1] اس وقت حضرت موسیٰ کے ماننے والوں کو یہود کہا جاتا ہے، لیکن ان کا قدیم اور اصلی نام بنی اسرائیل تھا (یعنی حضرت یعقوب جن کا عبرانی نام اسرائیل تھا ان کی اولاد) بنی اسرائیل کے بجائے ان کا نام یہود حضرت موسیٰؑ کے بہت بعد غالباً حضرت سلیمانؑ کے عہد کے بعد پڑا، حضرت سلیمانؑ کے بعد یہود دو حصوں میں بٹ گئے تھے ایک گروہ موحد تھا، یہ گروہ حضرت سلیمانؑ کے فرزند ولی عہد کے ماتحت تھا، اصل میں یہود ان ہی کا لقب

(باقی حاشیہ ص ۳ پر)

یہود بائدہ کا دور کہا جاتا ہے، اور دوسرا دور ۵۰۰ ق م سے ظہور اسلام تک، پہلے دور میں جو یہود جزیرہ عرب میں آئے، ان کے متعلق قدیم صحیفوں اور عربی تاریخوں میں متعدد روائتیں ملتی ہیں، لیکن صحیح طور سے نہیں بتایا جا سکتا کہ کب سے ان کا وجود یہاں ملتا ہے، بعض عربی تاریخوں کی روائتوں سے تو پتہ چلتا ہے کہ حجاز میں ان کی آمد حضرت موسیٰؑ کے زمانہ یعنی ۱۲۰۰ ق م سے ہی شروع ہو گئی تھی، یاقوت نے معجم البلدان میں مدینہ کے باشندوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

حین اظہرہ اللہ تعالی اموسی علی فرعون	جب اللہ تعالی نے حضرت موسیٰؑ کو فرعون
وطی الشام واھلک من کان بھا منھم ثم	پر غالب کیا تو انہوں نے فرعون کے اعوان
بعث بعثا آخر الی الحجاز الی العمالیق وامرھم	و انصار کو ختم کرنے کے بعد ایک فوج حجاز
ان لا یستبقوا احداً من بلغ الحلم الا من دخل	عمالیق کی سرکوبی کے لیے بھیجی اور فوج کو
فی دینہ فقدموا علیھم فقاتلوھم فاظھرھم	حکم دیا کہ ان میں سے جو لوگ دین میں داخل
اللہ علیھم فقتلوھم وقتلوا ملکھم لا رقم	ہو جائیں ان کے علاوہ ہر بالغ کو ختم کر دیا جائے،
واسروا ابناً لہ شاباً جمیلا	چنانچہ وہ فوج حجاز گئی اور اس کو عمالقہ پر غلبہ

(بقیہ حاشیہ ص ۱۲) ہود سے مشتق ہے جس کے معنی رجوع کے ہیں، چونکہ یہ لوگ اللہ کی طرف رجوع ہوئے اس لئے ان کا نام یہود پڑ گیا، واللہ اعلم

دوسرا گروہ مشرک تھا جو   کے تحت تھا، یہ حضرت سلیمانؑ کا سزا یافتہ اور دشمن تھا، لیکن ہمیں حضرت موسیٰؑ کے پہلے کے نبی اسرائیل سے نہیں بلکہ ان کے امتی اور ماننے والے جو اس وقت یہود کے نام سے مشہور ہیں ان سے بحث کرنی ہے اس لیے ہم نے ہر جگہ یہودی کا لفظ استعمال کیا ہے اس لیے غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے۔

قرآن پاک میں ان کا تذکرہ ان کے قدیم اور جدید دونوں ناموں سے کیا گیا ہے،

(حاشیہ صفحہ ہذا) حجاز میں اس وقت عمالقہ کی حکومت تھی جن کا ظلم و ستم فرعون سے کچھ کم نہ تھا،

بہا حسن من رای فی زمانہ فضنوا بہ
عن القتل وقالوا لنستحیہ حتی تقدم
بہ علی موسی فیری فیہ رایہ فاقبلوا
وهو معصوم وقبض اللہ موسی قبل
قدومهم فلما قربوا سمع بنو اسرائیل
بذالك تلقوهم وسألوهم عن
اخبارهم فاخبروهم بما فتح اللہ
علیهم قالوا فما هذا الفتی الذی
معکم فاخبروهم بقصته فقالوا
ان هذه معصیة منکم لخالفتکم
امر نبیکم واللہ لا دخلتم علینا
بلادنا ابدا فحالوا بینهم وبین
الشام فقال ذالك الجیش ما بلد
اذ منعلتم بلدکم خیر مکم من البلد
الذی فتحتموه وقتلتم اهله
فارجعوا الیہ فعادوا الیها فاقاموا
بها فهذا کان اول سکنی الیهود
الحجاز والمدینة ....

حاصل ہو گیا، وہاں کا بادشاہ ارقم قتل کیا
گیا، اس کا ایک لڑکا گرفتار ہوا، چونکہ وہ
بہت خوبصورت اور معصوم تھا، اس لیے
فوج اس کو اپنے ساتھ شام لیتی آئی، اس
لڑکے کے بارے میں وہ غور کر رہے تھے
کہ حضرت موسیٰؑ کے پاس اسے لیجایا جائے
یا نہیں، آخرکار اسے وہ لے کر شام واپس
آئے، اس وقت حضرت موسیٰ کی وفات
ہو چکی تھی، بنو اسرائیل نے فوج سے حجاز
کے حالات دریافت کئے، انہوں نے
اپنی فتح کا واقعہ ان کے سامنے بتایا،
پھر اس نوجوان کے بارے میں دریافت
کیا تو انہوں نے صورت حال بتائی،
اس پر بنو اسرائیل فوج پر خفا ہوئے کہ تم
نے حضرت موسیٰؑ کے قول کی خلاف ورزی
کی، اس لئے تم شام میں نہیں رہ سکتے،
چنانچہ وہ شام میں داخل نہیں ہو سکے، یہ
صورت حال دیکھ کر فوج کے سردار نے
کہا کہ فوجیو! شام کے بعد تمہارے لئے
حجاز ہی کی سرزمین بہتر ہے تو وہیں واپس
چلو، چنانچہ وہ حجاز واپس آئے، مدینہ اور

حجاز میں یہود کی یہ پہلی آبادی تھی جو یہاں
آباد ہوئی[1]   (ج ۷ ص ۱۴۲۷)

اس روایت کے متعلق تاریخ الیہود کے مصنف اسرائیل ولفنسون نے لکھا ہے اگر یہ روایت قابلِ اعتبار نہیں ہے اس لئے کہ صحف قدیم میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے، لیکن ظاہر ہے کہ اس کی تردید کے لئے صرف اتنا ثبوت کافی نہیں ہے کہ "صحف قدیم میں اس کا تذکرہ نہیں ہے" بہت سے ایسے قدیم تاریخی واقعات ملیں گے، جو مسلمات کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں، اگر صحف قدیم ان کے تذکرہ سے خالی ہیں، تو کیا یہ سب ناقابل اعتبار ہیں؟ اور پھر مصنف کو بھی یہ تسلیم ہے کہ ۱۲۰۰ ق-م سے پہلے حجاز میں یہود کی آمد شروع ہو گئی تھی، تو پھر اس روایت کے عدم قبولیت کا سبب اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ وہ اپنی یہودی عصبیت کی بنا پر عربی ماخذ کی روایات کو کمزور کرنا چاہتا ہے، جیسا کہ اس کے کتاب میں متعدد جگہ اس کا اظہار کیا ہے[2]،

اس کے بعد جزیرۂ عرب میں یہود کی دوسری آمد بنی شمعون کی ہجرت قرار پا سکتی ہے، اس کے متعلق صحفِ قدیم کا بیان ہے کہ وہ چراگاہ کی تلاش کے لئے طور سینا تک گئے اور وہاں ان سے اور قبائلِ معان سے جو وہاں کے قدیم باشندے تھے، جنگ ہوئی جس میں بنو شمعون غالب رہے، وہ پورا بیان یہ ہے:۔

(۳۸) یہ جن کے نام مذکور ہوئے اپنے اپنے گھرانے کے سردار تھے، اور ان کا آبائی گھرانہ بہت بڑھ گیا (۳۹) اور وہ جدور کی درآمد تک اس وادی کے پورب

---

[1] اس روایت کو اغانی نے (ج ۱۱ ص ۹۰) میں اور سمہودی نے وفاء الوفاء ص ۱۱۱ میں اور ابن خلدون نے اپنی تاریخ ج ۲ ص ۲۸۷ میں نقل کیا ہے [2] اس روایت کو ناقابل اعتبار ٹھہرانے میں مصنف کی غلط فہمی کا سبب شاید یہ کہ اس روایت کا ماخذ اس نے صرف اغانی کو سمجھا ہے حالانکہ دوسری مستند کتابوں جن کا تذکرہ اوپر آ چکا ہے ان میں بھی یہ روایت موجود ہے۔

تمک اپنے گلوں کے لئے چراگاہ ڈھونڈھنے لگے، (۴۰) وہاں انہوں نے ستھری اور اچھی چراگاہ پائی کہ وہ زمین وسیع اور چکنی اور سکھ کی جگہ تھی، آحام کے لوگ قدیم سے اس میں رہتے تھے، (۴۱) اور وہ جن کے نام لکھے گئے ہیں شاہ یہود اور حزقیاہ کے دنوں میں چڑھ آئے اور انہوں نے ان کا پڑاؤ مارا اور معونیم[1] کو جو وہاں ملے قتل کیا، ایسا کہ وہ آج کے دن تک نابود ہیں، اور ان کے گھروں میں آپ رہے، کیونکہ ان کے گلے کے لئے وہاں چرائی تھی، (۴۲) اور ان میں سے یعنی بنی شمعون کے بیٹوں میں سے پانچ سو مرد شعیر کے پہاڑ پر گئے اور یسی کے فلطیاہ اور نعرماہ اور رفایاہ اور عزئیل ان کے سردار تھے (۴۳) اور ان باقی عمالیقوں کو جو بھاگ نکلے تھے قتل کیا اور آج کے دن تک وہاں بستے ہیں،،

(تواریخ، باب ۴)

اس ہجرت کے سنہ کی تعین میں اختلاف ہے ڈوزی نے اپنی کتاب "بنی اسرائیل مکہ میں" میں یہ ثابت کیا ہے کہ یہ ہجرت حضرت داؤد کے زمانہ سے کچھ پہلے یعنی ۱۱۰۰ق۔م کے قریب ہوئی، لیکن مارگولیتھ (MORGOLOUTH) نے ڈوزی سے اختلاف کیا ہے، اور اپنی کتاب "عربوں اور بنی اسرائیل کے تعلقات" میں یہ ثابت کیا ہے کہ یہ ہجرت حزقیل کے وقت میں ہوئی، جنہوں نے ۷۲۶ سے ۶۹۷ ق۔م تک بلاد یہودا پر حکومت کی ہے

خود بائبل کے مترجمین نے اس ہجرت کے سنہ کی جو تعیین کی ہے، اس سے بھی مارگولیتھ

---

[1] معونیم یعنی قبائل معان یا معین جو مکہ اور یثرب کے اطراف میں آباد تھے، تاریخ الیہود ص ۵، اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل سے اور قبائل معان میں جو جنگ ہوئی، اس میں بنی اسرائیل غالب رہے اور انہوں نے معان کو قتل کر کے اس سرزمین پر قبضہ کر لیا۔ یہ قبائل عرب کے بہت قدیم قبائل ہیں انہوں نے کئی سو برس تک جزیرہ عرب میں حکومت کی ہے تفصیل کے لیے دیکھئے ارض القرآن، جلد اول،

کے خیال کی تائید ہوتی ہے، یعنی انہوں نے اس کو ۷۱۵ء ق م کا واقعہ قرار دیا ہے،

تاریخ الیہود کے مصنف کا خیال ہے کہ کم از کم اس ہجرت کا زمانہ ۱۲۰۰ء ق م ہے لیکن اس نے کوئی ثبوت پیش نہیں ہے غالباً اس نے یہ رائے اس لئے قائم کی ہے کہ بائبل میں اس واقعہ کا سنہ تو ۷۱۵ء ق م درج ہے لیکن اس واقعہ سے پہلے اور بعد کے جتنے واقعات ہیں وہ سب ۱۳۰۰ء ق م کے تحت درج ہیں، صرف اسی واقعہ کے سامنے ۷۱۵ء ق م درج ہے،

بہرحال اس سے اتنا تو ثابت ہے کہ ۵۰۰ء ق م سے پہلے بنی شمعون عرب میں آباد ہو چکے تھے، اسی اختلاف روایات کی بنا پر بعض مستشرقین نے بنی شمعون کے وجود ہی سے انکار کر دیا ہے، لیکن کتاب یوشع بن نون کے دیکھنے سے ان کے اس خیال کی تردید ہو جاتی ہے، اس میں ان قبائل کے نام اور ان کے جائے قیام کے حدود مفصل درج ہیں[۱]۔

اس کے علاوہ صحف قدیم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب تاجر برابر کنعان اور بنی اسرائیل کے دوسرے شہروں تک سامان تجارت لے کر جایا کرتے تھے، اور یہود تجار بھی برابر تجارتی سفر کرتے رہتے تھے[۲] اوپر یہود اور عمالقہ کی جنگ کا ذکر آچکا ہے اس کے علاوہ متعدد بار عمالقہ اور عربی قبائل میں لڑائیاں ہوتی ہیں[۳]، جو یہود کے عرب میں متوطن ہونے کا بڑا سبب ہوئیں۔

غرض ان ہی مذکورہ اسباب کی بنا پر حجاز میں یہود کی آمد و رفت اور بود و باش شروع ہوتی ہیں لیکن اس دور کے یہود کے تاریخی آثار باقی نہیں رہ گئے ہیں۔ اس لیے ان کو یہود بائدہ یعنی مٹ جانے والے کہا جاتا ہے،

دوسرا دور | دوسرے دور میں جو یہود حجاز آئے، وہ زیادہ تر شام و فلسطین کے باشندے تھے، وہ کیا اسباب تھے جن کی بنا پر انہوں نے اپنے سرسبز و شاداب وطن چھوڑ کر جزیرہ عرب جیسی بے آب و گیاہ سرزمین کا رُخ کیا، ان کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے، مختصر طور پر ان کی

---

[۱] کتاب یوشع بن نون فصل ۱۹، آیت ۱ تا ۹ [۲] حزقیاہ باب ۲۷، آیت ۲۱ [۳] ملوک ۲ اباب ۹ آیت ۲۶

ہجرت کے تین قوی سبب یہ تھے،

(۱) فلسطین میں یہود کی آبادی بہت زیادہ بڑھ گئی تھی، چنانچہ اس وقت ان کی تعداد چالیس لاکھ تک بتائی جاتی ہے، ظاہر ہے کہ فلسطین جیسی چھوٹی جگہ میں اتنی کثیر تعداد کا فراغت اور خوش حالی کے ساتھ رہنا، اور پھر اس کے ذرائع معاش کا مہیا ہونا دشوار ہوگا، اس لیے وہ عرب اور عراق کا رُخ کرتے تھے جہاں کی آبادی ان کے رقبہ کے اعتبار سے بہت کم تھی، اور پھر جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے یہود کی آبادیاں متفرق طور سے پورے جزیرہ عرب میں پھیلی ہوئی تھیں جو یہاں ان کا ایک بڑا سبب بن گئیں۔

(۲) پہلی صدی ہجری میں رومیوں نے متعدد بار فلسطین پر حملہ کیا، یہاں تک کہ یہود کو زمام حکومت ان کے ہاتھ میں دے دینا پڑی، لیکن ظاہر ہے کہ فلسطین یہود کا صرف وطن ہی نہیں تھا، بلکہ وہ ان کی سب سے مقدس عبادت گاہ بھی تھی، اس لیے وہ چین سے نہیں بیٹھے اور بغاوت کے فتنے برابر اٹھاتے رہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رومیوں نے ان پر ہر قسم کے ظلم توڑنے شروع کر دیئے، اب ان کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ فلسطین چھوڑ کر کہیں ہجرت کر جاتے جس کے لیے ان کو سب سے قریب آزاد سرزمین جزیرہ عرب ہی کی مل سکتی تھی[۱]

(۳) اس کے بعد پہلی صدی ہجری یعنی ۷۰ء میں رومیوں اور یہودیوں میں ایک زبردست جنگ ہوئی جس میں پورا فلسطین تہ و بالا ہو گیا، یہاں تک کہ بیت المقدس کی مشہور عبادت گاہیں تک برباد کر دی گئیں، اس جنگ میں یہودیوں کو شکست اٹھانی پڑی، اور یہود کے تعلقات پر بھی ایک نظر ڈال لینا چاہتے ہیں،

یمن میں یہودیت یمن گو جزیرہ عرب ہی کا ایک حصہ ہے، لیکن سیاسی اور تجارتی اہمیت

---

[۱] دیرہ ہی یومی ینٹریبل بحوالہ تاریخ الیہود ص ۹

کے اعتبار سے ہمیشہ وہ ایک مستقل ملک رہا ہے، اس اہمیت کی بنار پر اس کا تذکرہ ہم علیحدہ کرتے ہیں۔

اہل یمن سے بھی یہود کے تعلقات قدیم زمانہ سے شروع ہو چکے تھے، اوپر آچکا ہے، کہ حضرت سلیمانؑ کے وقت یعنی ۱۰۰۰ ق۔م میں اہل عرب اور یہود میں تجارت ہوتی تھی جس کا سب سے بڑا مرکز سبا تھا جو یمن کا دارالسلطنت تھا،

اس کے علاوہ قرآن پاک میں حضرت سلیمانؑ اور ملکہ سبا، کا جو واقعہ ذکر کیا گیا ہے اس سے بھی یہود اور اہل یمن کے تعلقات پر کافی روشنی پڑتی ہے معین جو یمن کے بیچ میں واقع تھا، اس کا تذکرہ تحریری طور پر ۸۰۰ ق۔م میں ملتا ہے[1]

یمن میں یہودیت کو اصل فروغ حمیری حکومت کے بعد ہوا، اس لیے کہ یہودیت حمیری حکومت کا تقریباً سرکاری مذہب ہو گیا تھا، اس کے فرمانرواؤں میں ایک ستارہ پرست، ایک دو عیسائی، بقیہ سب یہودی تھے، لیکن حمیری حکومت کی ابتدار کب ہوئی، اس بارے میں مورخین کی بہت مختلف اور متضاد رائیں ہیں،

حضرت الاستاد مولانا سید سلیمان صاحب ندوی نے ارض القرآن میں اس پر مفصل بحث کی ہے، ڈاکٹر ہالوے نے اس کی ابتدار ۱۱۵ ق م قرار دی ہے، لیکن سید صاحب نے اس پر نقد کیا ہے، اور مختلف دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ حمیری حکومت کی ابتدار ۲ ق۔م سے آگے نہیں بڑھتی، بہر نوع اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دوسری صدی قبل مسیح یا پہلی صدی کے وسط سے یمن میں یہودیت کو فروغ ہونا شروع ہو گیا تھا، اور ۵۵۰ برس تک وہاں اس کا فروغ حاصل رہا، لیکن حمیری حکومت کے آخری فرمانرواؤں کی موت ۵۲۵ء کے

---

[1] تاریخ دوم آیت ۲۶ - ۸ یہ بڑی ترقی یافتہ حکومت تھی۔ جدید اثری تحقیقات نے اس کے بارے میں بہت کچھ معلومات فراہم کر دی ہیں،

بعد یمن میں یہودیت کا زور ٹوٹ گیا، اور اس کی جگہ عیسائیت نے لے لی، جس کا تذکرہ آگے آتا ہے،

جزیرہ عرب میں یہودیت کا ذکر کرتے ہوئے یعقوبی نے لکھا ہے،

فامامن تھود منھم فالیمن باسرھا[1] — جزیرہ عرب میں جو لوگ یہودی ہوئے ان میں یمن بھی ہے۔ یمن پورا کا پورا یہودی تھا،

پھر اس کے بعد یعقوبی نے یمن میں یہودیت کی ابتدار کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ

کان تبع حمل حبرین من احبار الیھود الی الیمن فابطل الاوثان وتھود من بالیمن (ج اص ۲۹۸) — ملک تبع نے دو یہودی عالموں کو یمن بھیجا انہوں نے وہاں سے بت پرستی کو مٹایا اور ان کے اثر سے یمن کے باشندوں نے یہودیت قبول کر لی،

جدید اثری تحقیقات کے مطابق تبابعہ کا زمانہ تیسری صدی عیسوی سے آگے نہیں بڑھتا، اس لیے یعقوبی کے بیان کے مطابق یمن میں یہودیت کو پورا فروغ تیسری صدی میں ہوا۔

اوپر یمن میں یہودیت کی جو قدامت دکھائی گئی ہے، اس سے یہ بیان کچھ مختلف معلوم ہوتا ہے، مگر اس میں کوئی تضاد نہیں ہے، ممکن ہے کہ وہاں یہودیت بہت قدیم زمانہ سے موجود ہو، مگر اہل یمن کا وہ عالم مذہب تیسری صدی میں ہوا ہو،

کیا عرب کے یہود ہجرت کر کے نہیں آئے تھے؟

اوپر ذکر آچکا ہے کہ مختلف اسباب کی بنار پر یہود شام و فلسطین کی سرسبز و شاداب سرزمین چھوڑ کر جزیرہ عرب جیسے بے آب و گیاہ مقام کا رخ کرتے تھے، لیکن بعض مورخین کا خیال ہے، کہ عرب کے یہود کہیں

---

[1] تاریخ یعقوبی ج اص ۲۹۸ [2] ایضاً

باہر سے نہیں آئے تھے، بلکہ یہ عرب ہی نسل سے تھے، جنہوں نے یہودیت قبول کرلی تھی، یعقوبی کا رجحان بھی یہی معلوم ہوتا ہے، چنانچہ وہ بنی نضیر کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے،

وھم فخذ من جذام الا انھم تھودوا ونزلوا بجبل یقال لہ النضیر فنسبوا بہ (ج ۲ ص ۴۹)

یہ جذام کی ایک شاخ تھی، مگر یہ یہودی ہو گئے تھے، اور جہاں یہ آباد ہوتے اس مقام کا نام نضیر تھا، اس لیئے وہ اس سے مشہور ہو گئے،

پھر بنو قریظہ کے متعلق لکھتا ہے،

وھی فخذ من جذام اخوۃ النضیر ویقال انھم تھودوا فی ایام عادیا بن سموئیل ثم نزلو بجبل یقال لہ قریظۃ فنسبوا الیہ (ج ۲ ص ۵۲)

یہ بھی جذام کی ایک شاخ ہے بنو نضیر کے بھائی بند تھے، کہا جاتا ہے کہ یہ عادیا بن سموئیل کے زمانہ میں یہودی ہوئے، پھر جبل قریظہ کے پاس آباد ہوئے، اور اسی نسبت سے ان کا یہ نام پڑ گیا۔

جو لوگ اس خیال کے موید ہیں، یعقوبی کے بیان کے علاوہ ان کا قیاسی استدلال یہ ہے کہ دنیا کے دوسرے حصوں کے یہود اپنے عادات واطوار اور اپنے تمدنی اثرات کے اعتبار سے وہاں کے باشندوں سے ہمیشہ ممتاز رہے، لیکن عرب کے یہود کسی حیثیت سے بھی عربوں سے ممتاز نہیں تھے، اور نہ انہوں نے کوئی تمدنی یا علمی یادگار چھوڑی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عربی ہی جنس سے تھے، صرف انہوں نے کسی وجہ سے اپنا مذہب تبدیل کر لیا تھا،

لیکن صرف یعقوبی کے بیان اور فرضی قیاسات پر یہ فیصلہ کر لینا کہ عرب کے تمام یہود عربی النسل تھے، صحیح نہیں ہے،

اوپر جن واقعات کا تذکرہ آچکا ہے، ان ہی سے اس کی پوری تردید ہو جاتی ہے لیکن

اس سلسلہ میں دو تین باتیں قابل لحاظ ہیں۔

(۱) یعقوبی نے بنو قریظہ اور بنو نضیر کے متعلق جو کچھ بیان کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ انشاء اللہ ان قبائل کے تذکرے کے وقت اس کے دلائل ہم پیش کریں گے۔

(۲) یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ عرب کے یہود دنیا کے دوسرے حصوں کے یہود سے ممتاز نہیں تھے یا ان کا کوئی تمدنی امتیاز نہیں تھا، اس گوشہ پر یہود کے تمدنی اثرات کے تحت آئندہ ہم مفصل بحث کریں گے، لیکن یہاں دو ایک باتیں سرسری طور پر کہی جاتی ہیں،

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہود کو دنیا کے کسی گوشہ میں کوئی امتیاز کبھی بھی حاصل نہیں تھا۔ اس لیے کہ ان کے پاس وہ اسباب و ذرائع (خصوصیت سے حکومت) موجود ہی نہیں تھے، جن کی بنا پر قومیں امتیاز حاصل کرتی ہیں، اس لیے کہ یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ وہ کہیں بھی ممتاز تھے،

دوسری بات یہ ہے کہ عرب کے یہود کو شاید سب سے زیادہ امتیازی حیثیت حاصل تھی، اس لیے کہ قرآن نے زیادہ تر ان ہی کے عقائد اور اخلاق و معاملات سے بحث کی ہے اس خیال کی زیادہ تر تائید غالباً یہودی مستشرقین نے بھی کی ہے اس سے ان کا مقصد یہ ہے کہ قرآن کے ان بیانات کی اہمیت گھٹائی جائے، جن کا تعلق یہود سے ہے، لیکن یہ خیال تاریخی حیثیت سے صحیح نہیں ہے،

یہ بات کہ یہود باہر سے نہیں آئے تھے، پورے جزیرہ کے متعلق تو یہ کہنا صحیح نہیں ہے، لیکن یہ ضرور ہے کہ جزیرہ عرب کے باشندوں کی ایک بڑی آبادی نے یہودیت قبول کر لی تھی خصوصیت کے ساتھ یمن کے یہود تو اکثر و بیشتر عرب ہی تھے، اس لئے اس سلسلہ میں صحیح مسلک یہ ہے کہ یہود باہر سے بھی آئے، اور خود عربوں کے بعض قبائل اور افراد نے بھی اسے قبول کیا، جن کا تذکرہ آگے آئے گا، خصوصیت سے شمالی حجاز کے یہود زیادہ تر باہر سے آئے تھے،

کیا عرب کے یہود دنیا سے منقطع ہو چکے تھے؟

تاریخ الیہود کے مصنف اسرائیل ولفنسون نے لکھا ہے کہ عراق، مصر، یونان اور اس کے علاوہ جہاں بھی یہودیوں کی آبادی تھی، وہاں کے

یہود کی تاریخ کا پتہ چلتا ہے، یہی نہیں بلکہ انہوں نے تاریخ میں اپنے سیاسی و تمدنی آثار کے گہرے نقوش چھوڑے ہیں اور دنیا کی دوسری قوموں سے ان کے گوناں گوں تعلقات تھے، لیکن جزیرہ عرب کے یہود دنیا سے بالکل منقطع ہو گئے تھے، اور عربوں میں اس طرح گھل مل گئے تھے، کہ دونوں کی تہذیب و معاشرت میں کوئی نمایاں فرق باقی نہیں تھا، اور نہ دوسرے ممالک کے یہود کی طرح ان کے کوئی قابلِ ذکر تمدنی اور علمی آثار موجود تھے، لیکن واقعات کی روشنی میں یہ خیال صحیح نہیں معلوم ہوتا،

(۱) یہ بات کہ وہ عربوں میں بالکل گھل مل گئے تھے، اور دونوں میں کوئی نمایاں فرق نہیں تھا، بالکلیہ صحیح نہیں ہے، جزیرہ عرب میں جہاں یہود منتشر طور پر موجود تھے، وہاں واقعی ان کی نمایاں حیثیت نہیں تھی، لیکن جو ان کے مرکزی مقامات مثلاً یثرب، خیبر، وادی القریٰ اور تیمار وغیرہ تھے، وہاں وہ ہر نقطۂ نظر سے عربوں سے ممتاز تھے، پوری تفصیل آگے آتی ہے

(۲) دنیا کے دوسرے حصوں سے ان کا تعلق نہیں تھا، یہ غلط فہمی ویسی ہی ہے جیسی کہ خود عربوں کے متعلق صحیح ہے اور نہ یہود کے متعلق عربوں اور حجاز اور یمن کے یہود کے تجارتی اور معاشرتی تعلقات دوسرے ملکوں سے قدیم زمانہ سے تھے، ذکر آچکا ہے کہ یمن کے یہود تجارت کی غرض سے برابر شام کا سفر کرتے رہتے تھے، جزیرہ عرب کے جتنے تجارتی مرکز تھے، وہ سب یہودیوں کے قبضہ میں تھے، یمن کی حمیری حکومت اور حبشہ کی عیسائی حکومت کے درمیان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک برابر سیاسی چشمک جاری تھی، خصوصیت سے شام کے یہودیوں سے تو ان کے بعض معاشرتی تعلقات بھی تھے، شام کے یہودی مدینہ کے یہودیوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات دریافت کیا کرتے تھے، بنو قینقاع جلاوطن کئے گئے تو وہ یہاں سے اذرعات جو شام کے علاقہ میں ہے چلے گئے، اسی طرح دوسرے یہودی قبائل کا بھی شام کی طرف جانا ثابت ہے، حجاز سے مدینہ کو جو راستہ جاتا ہے اس شاہراہ پر جتنے مرکزی مقامات تھے، ان میں یہودیوں کی آبادیاں ملتی ہیں، اور پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ قریش تو تجارت کے لیے

شام تک کا سفر کریں۔ اور یہود جو جزیرہ عرب کے سب سے زیادہ تاجر اور مالدار باشندے تھے شام کا تجارتی سفر نہ کرتے ہوں، اور پھر مزید براں یہ کہ شام ہی میں ان کا قبلہ اور سب سے مقدس عبادت خانہ تھا، ان وجوہ کی بنا پر یہ خیال کرنا صحیح نہیں معلوم ہوتا کہ یہود دنیا سے منقطع ہو کر بالکل قبائلی زندگی گذار رہے تھے،

(۳) تمدنی اور علمی حیثیت سے بھی عرب کے یہود ممتاز تھے۔ ان کے تمدنی وسیاسی اثرات پر بحث آگے آئے گی، البتہ علمی حیثیت کے متعلق کچھ باتیں یہاں کہی جاتی ہیں،

جزیرہ عرب کے یہود کے علمی امتیاز کے لئے یہی ثبوت بہت ہے کہ ان میں حضرت عبداللہ ابن اسلام حضرت زید بن سعنہؓ حضرت مخیریقؓ حضرت میمونؓ بن یامین، کعب احبار، محمد بن کعب القرظی، وہب بن منبہ جیسے علماء اور کعب بن اشرف اور سموئل جیسے شعرا موجود تھے۔ حضرت عبداللہ بن سلام کے صاحبزادے حضرت یوسف نے اپنی ایک علمی یادگار بھی چھوڑی تھی، ان کے متعدد مدارس قائم تھے، خود مدینہ میں بیت المدارس کے نام سے ان کی ایک مشہور درسگاہ تھی،

جزیرہ عرب میں سب سے زیادہ لکھے پڑھے یہودی ہوتے تھے، مدینہ میں غالباً سب سے پہلے تحریر کا رواج یہود ہی کے ذریعہ ہوا، وہ صرف اپنی مذہبی زبان عبرانی ہی نہیں بلکہ عربی سے بھی بخوبی واقف تھے، اور اپنے بچوں کو اس کی تعلیم دیتے تھے، اور روزمرہ کی زبان بھی یہی تھی، پوری تفصیل آگے آئے گی،

غالباً یہ یہود ہی کا اثر تھا کہ ظہور اسلام کے وقت متعدد صحابہ لکھنا پڑھنا جانتے تھے، بعض صحابہ تو عربی کے ساتھ عبرانی سے بھی واقف تھے،

بہر نوع یہ کسی طرح صحیح نہیں ہے کہ عرب کے یہود تمدنی اور سیاسی حیثیت سے کوئی ممتاز حیثیت نہیں رکھتے تھے، یا وہ علمی حیثیت سے دوسرے مقامات کے یہود سے پست تھے،

یہود کے مرکزی مقامات اور ان کے مشہور قبائل

یوں تو جزیرہ عرب کے ہر حصہ میں یہودیوں کی آبادیاں موجود تھیں، لیکن خصوصیت سے شمالی عرب کے تمام مرکزی مقامات پر یہودی

قبائل آباد تھے، اور ان میں اکثریت ان یہودیوں کی تھی، جو باہر سے ہجرت کر کے آئے تھے، ان قبائل کے نام، ان کی آمد اور مقام ہجرت کے سلسلہ میں جو معلومات مل سکی ہیں وہ درج ذیل ہیں،

یثرب | ظہور اسلام کے وقت جزیرہ عرب میں یہود کی سب سے بڑی آبادی یثرب اور خیبر[1] میں تھی، اس لیے سب سے پہلے ان ہی مقامات کا تذکرہ کیا جاتا ہے، یثرب کی وجہ تسمیہ کے سلسلہ میں صاحب معجم البلدان نے لکھا ہے کہ یہ یثرب بن قانیہ کا آباد کیا ہوا ہے، اس لیے اس کا نام یثرب پڑ گیا، یثرب بن قانیہ حضرت نوحؑ کی اولاد کی ساتویں پشت میں تھا، اگر یہ بیان صحیح ہے تو یہ بہت قدیم آبادی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت بھی یہی نام رائج تھا، مگر آپ نے اس کا نام طابہ اور طیبہ رکھا، پھر آپ کی ہجرت کے بعد وہ مدینۃ النبی کے نام سے پکارا جانے لگا، اور آخر میں یہی نام مخفف ہو کر زبان زد خاص وعام ہو گیا،

مدینہ میں جو یہودی قبیلے آباد تھے ان کی تفصیل یہ ہے،

بنو قریظہ | یہ نہایت قدیم قبیلہ تھا، جو اپنے وطن شام کو چھوڑ کر یہاں آیا، اور وادی مہزور کے قریب جو مدینہ کے مشرق میں واقع ہے، آباد ہو گیا، یہ وادی بعد میں انہی کے نام سے مشہور ہو گئی، اور رفتہ رفتہ ان کے ملک میں آگئی،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو آپ نے جن قبائل سے معاہدہ کیا تھا، ان میں بنو قریظہ کا قبیلہ بھی تھا، معاہدہ کی رو سے مسلمان اور یہود ایک دوسرے کے خلاف کسی جنگ میں شریک نہیں ہو سکتے تھے، لیکن ۵ھ میں انہوں نے معاہدہ شکنی کی، اس سے پہلے بھی

---

[1] بعثت نبوی سے ایک سو سال پہلے یہودیت کا سب سے بڑا مرکز یمن تھا۔ لیکن حمیری حکومت کی شکست اور ذونواس کے قتل کے بعد یمن میں یہودیت کی جگہ نصرانیت نے لے لی تھی، تفصیل آگے آئے گی،

غزوہ احزاب وغیرہ میں یہ مسلمانوں کے خلاف سازش کر چکے تھے، اس لیے ان کو اس جرم کی سزا بھگتنی پڑی، حضرت ثعلبہؓ، حضرت زید بن سعنہ، حضرت سعیہؓ، حضرت عطیہؓ، حضرت ریحانہؓ وغیرہ اہل کتاب صحابہ اسی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے،

بنو نضیر | اس خاندان نے بھی بنو قریظہ کے ساتھ ہی اپنا آبائی وطن چھوڑا اور مدینہ کے جنوب مشرق میں وادی بطحان کے پاس آکر آباد ہوا، یہ مدینہ کی سب سے بڑی وادی تھی، یاقوت نے بطحان کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بنو نضیر اسی وادی کے قریب آباد ہوئے، لیکن ایک جگہ ایک مقام بویرہ کو ان کی طرف منسوب کیا ہے، اور اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

ھو موضع منازل بنی نضیر — بنو نضیر کی آبادی اسی جگہ پر ہے،

بویرہ ایک کنوئیں کا نام ہے، ہو سکتا ہے کہ یہ کنواں وادی بطحان کے قریب ہی رہا ہو اس بنا پر دونوں روائتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قبیلہ سے بھی معاہدہ کیا تھا، لیکن انھوں نے بھی معاہدہ شکنی کی، اور اس کی پاداش میں ۴ھ میں جلاوطن کئے گئے، حضرت مخریقؓ، حضرت یامینؓ، حضرت ابو سعدؓ وغیرہ اسی قبیلہ سے تھے،

بنو قینقاع | اس قبیلہ کے متعلق یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ یہ باہر سے ہجرت کر کے آیا تھا یا نہیں کا کوئی عرب قبیلہ تھا جس نے یہودیت قبول کر لی تھی، اس قبیلہ کے لوگ عام طور پر صناع اور زراعت پیشہ تھے، خصوصیت سے آہنگری اور زرگری ان کا خاص پیشہ تھا، خود ان کا نام بھی ان کے پیشوں کی طرف رہنمائی کرتا ہے، قین عربی میں لوہار کو کہتے ہیں، اور قاع اس ہموار اور نرم زمین کو کہتے ہیں، جس میں کھیتی کی جا سکے، جن سے ان کی دونوں خصوصیتیں معلوم ہوتی ہیں، مدینہ کے دوسرے یہودی قبائل کے مقابلہ میں یہ زیادہ مضبوط اور طاقتور تھے، سب سے پہلے اسی قبیلہ نے معاہدہ شکنی کی، اور اس کے نتیجہ میں جلاوطن کئے گئے۔ مدینہ سے نکل کر اذرعات میں جو شام کا ایک ضلع ہے، چلے گئے،

---

[1] معجم البلدان ج ۲ ص ۲۲۶

بنو ہدل | یہ قبیلہ بھی بنو قریظہ کے ساتھ اپنے وطن سے ہجرت کر کے مدینہ آیا تھا اور ان ہی کے ساتھ وادی مہزور میں آباد ہو گیا تھا[1] یہ قبیلہ اپنی کوئی الگ حیثیت نہیں رکھتا تھا، بلکہ ہر معاملہ میں بنو قریظہ ہی کا شریک تھا، بعض کتابوں میں اس کا نام بنو بہدل لکھا ہوا ہے سمہودی نے لکھا ہے کہ ان کو بنو ہدل اس لئے کہتے تھے کہ عام طور پر ان کے ہونٹ موٹے اور لٹکے ہوئے ہوتے تھے عربی میں ایسے آدمی کو ہدل کہتے ہیں[2] حضرت ثعلبہؓ حضرت اسد بن کعبؓ اور حضرت عبداللہ بن سلام اسی قبیلہ سے تھے،

بنو زنباع | یہ قبیلہ بھی بنو قریظہ ہی کی ایک شاخ اور اس کے ماتحت تھا، بنو قریظہ سے اس کے تعلق کی بنار پر یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ قبیلہ بھی ہجرت کر کے آیا تھا، مگر اس کی جائے قیام کے بارے میں کوئی تفصیل نہیں ملتی، حضرت رافعؓ کا نسبی تعلق اسی قبیلہ سے تھا،

یثرب کے دوسرے یہودی قبائل | مذکورہ قبائل کے علاوہ مدینہ منورہ میں اور بھی متعدد یہودی قبائل تھے جن کو خود کوئی ممتاز حیثیت حاصل نہیں تھی، بلکہ وہ ہر معاملہ میں ان ہی یہودی قبائل کے پابند تھے، مثلاً بنو عریض جبل احد کے قریب آباد تھے، بنو ظفر وادی مہزور کے آخری سرے پر آباد تھے، بنو انہل اور بنو حارثہ مدینہ کے بالکل مشرق میں آباد تھے ان کے علاوہ چند اور قبائل کے نام اس معاہدہ میں آئے ہیں، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے کیا تھا،

(۱) یہود بنی عوف (۲) یہود بنی نجار (۳) یہود بنی ساعدہ (۴) یہود بنی عوف (۵) یہود بنی الاوس (۶) یہود بنی ثعلبہ (۷) بنو جفنہ (۸) بنو الشطیبہ (۹) بنو حارث

اس معاہدہ میں ان قبائل کے ذکر کے بعد یہ دفعہ بھی ہے کہ

وان بطانۃ یہود کانفسہم	اور یہودیوں کے قبائل کی ذیلی شاخوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اصل کو حاصل ہیں،

---

[1] ایضاً ج ۸ ص ۲۹۶ [2] وفاء الوفاء ج ۱ ص ۱۱۴

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود کے اور بھی دوسرے ذیلی قبائل تھے، چنانچہ اس کی تائید سمہودی کے بیان سے بھی ہوتی ہے وہ مدینہ کے یہودی قبائل کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ان یہود کانوا ینیفار عشرین قبیلۃ[1]   مدینہ میں یہودی قبائل سے زیادہ تھے

ان ذیلی قبائل میں بیشتر ایسے تھے جن کا نسبی تعلق اوس و خزرج سے تھا، مگر انھوں نے یہودیت قبول کر لی تھی، اس لیے وہ یہودی قبائل میں شمار ہوتے تھے، مثلاً بنو اشہل، بنو حارثہ بنو عوف وغیرہ قبیلہ اوس کی شاخیں تھیں، اسی طرح بنو نجار، بنو حارث، بنو ساعدہ وغیرہ خزرج کے تحتی قبائل تھے،

خیبر | شمالی حجاز میں یہود کا دوسرا بڑا مرکز خیبر تھا، جو شام کے راستہ میں مدینہ منورہ سے تقریباً آٹھ منزل پر واقع ہے، یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ یہاں کی یہودی آبادی کہیں سے ہجرت کر کے آئی تھی یا یہیں کی خود عرب آبادی نے یہودیت قبول کر لی تھی، بعض قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ قدیم آبادی ہے، معجم البلدان نے خیبر کی وجہ تسمیہ کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ یہ بستی خیبر بن قانیہ کی طرف منسوب ہے، اس لحاظ سے ان کے اور انصار کے جد اعلیٰ ایک ہی ہیں، انصار کے جد اعلیٰ یثرب بن قانیہ کا ذکر اوپر آچکا ہے،

اس بیان سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہاں یہودیت کو فروغ کب سے ہوا، اس سلسلہ میں عاجز کی رائے یہ ہے کہ خیبر عبرانی لفظ ہے جس کے معنی قلعہ کے ہیں، یہ لفظ خود اشارہ کر رہا ہے کہ اس بستی کو یہود سے بڑا قدیم تعلق ہے، اور پھر اس سرزمین کو قلعوں کی سرزمین کہا جائے تو صحیح بھی ہے، اس لیے کہ یہاں بہت سے قلعے تھے، جن کی یادگار آج تک باقی ہے

خیبر حجاز کا بڑا زرخیز علاقہ ہے، جس کو تجارتی لحاظ سے بھی بڑی اہمیت حاصل تھی، یہاں

---

[1] وفاء الوفا ص ۱۱۶

کے یہود اقتصادی حیثیت سے بہت ممتاز تھے انہوں نے متعدد جنگی قلعے بنا رکھے تھے جن میں سات قلعے بہت مشہور تھے، ناعم، قموص، حصن الشق، حصن النطاۃ، حصن السلام، حصن الوطیح، حصن الکتیبہ[1] الیعقوبی کا بیان ہے کہ اس میں بیس ہزار سپاہی رہتے تھے[2] یعقوبی کے اس بیان سے خیبر کی وسعت اور اس کی آبادی کی کثرت کا اندازہ ہوتا ہے،

دوسرے یہود کی طرح اسلام کے خلاف ان کی ریشہ دوانیاں جب بہت بڑھ گئیں، تو ۷ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے خلاف جارحانہ کارروائی کر کے ان کو شکست دی پوری تفصیل آگے آئے گی، حضرت صفیہؓ کا وطن خیبر ہی تھا۔

فدک | خیبر اور مدینہ کے درمیان فدک کی بستی تھی، یہاں بھی یہودیوں کی آبادی تھی، اور دوسرے مقامات کی طرح یہاں کے یہود بھی نہایت ہی خوشحال تھے، یہ بستی بھی پرانی ہے مگر یہاں یہود کب آباد ہوئے، اس کی کوئی تصریح نہیں ملتی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے آس پاس کے جن قبائل سے صلح کی تھی، ان میں اہلِ فدک بھی تھے، تاریخوں میں اس کا تذکرہ اسی حیثیت سے آتا ہے،

وادی القریٰ | شام اور مدینہ کے درمیان ایک وادی ہے جس میں بہت سی بستیاں آباد تھیں، اس کو "وادی القریٰ" (بستیوں کی وادی) کہتے ہیں، یہ نہایت ہی قدیم آبادی ہے اقدیم زمانہ میں یہاں عاد و ثمود آباد تھے، یہ بستیاں اپنی سرسبزی و شادابی کے لحاظ سے ہمیشہ سے ضرب المثل تھیں، قرآن مجید کی ان آیات میں انہی بستیوں کی طرف اشارہ ہے،

اَتُتْرَكُوْنَ فِيْمَا هٰهُنَا اٰمِنِيْنَ	کیا تم کو ان ہی چیزوں میں بے فکری
فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ وَّزُرُوْعٍ	سے رہنے دیا جائے گا، جو یہاں موجود
وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ (شعراء)	ہیں یعنی باغوں، چشموں میں اور کھیتوں

---

[1] اس کی تفصیل معجم البلدان وغیرہ میں ملتی ہے، [2] یعقوبی جلد ۲ ص ۵۲

ہیں اور ان کھجوروں میں جن کے گچھے خوب
گندھے ہوئے ہیں۔

ارباب تاریخ و جغرافیہ لکھتے ہیں کہ عاد و ثمود کی تباہی کے بعد یہاں یہود آباد ہوئے، انہوں نے دوبارہ یہاں کی زراعت اور آب رسانی کو ترقی دی، یہود کے بعد دوسرے عربی قبائل بھی یہاں آباد ہوئے، مگر وہ سب کے سب یہود کے زیر اثر رہے، قضاعہ، جہینہ اور عذرہ وغیرہ قبائل اسی وادی میں آباد تھے[1] اس تفصیل سے ہمارا مقصود یہ ہے کہ یہاں کے یہود جزیرہ عرب میں ہجرت کر کے آئے تھے، اور بہت قدیم زمانہ سے یہاں آباد تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خیبر اور فدک سے واپس ہوئے تو یہاں کے باشندوں نے بھی خیبر کے شرائط صلح کے تحت صلح کر لی۔

عہد اسلام کے بعد بھی کئی صدیوں تک یہاں یہودیوں کے وجود کا پتہ چلتا ہے، تاریخ الیہود کے مصنف کا بیان ہے کہ گیارہویں صدی عیسوی تک یہاں یہود موجود تھے (ص ۱۸۶) یاقوت نے اپنے زمانہ یعنی ساتویں صدی ہجری میں اس کا حال ان الفاظ میں لکھا ہے، اس وقت یہ سرزمین بالکل ویران ہے، کنوؤں اور چشموں کا پانی اب تک ویسے ہی جاری ہے، مگر اس سے فائدہ اٹھانے والا کوئی موجود نہیں ہے[2]

ان دونوں بیانوں سے پتہ چلتا ہے کہ پانچویں اور ساتویں صدی ہجری بمطابق گیارہویں اور تیرہویں صدی عیسوی کے درمیان یہود نے اس سرزمین کو چھوڑا ہے، لیکن یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ ان کے ترکِ وطن کے اسباب کیا تھے اور وہ یہاں سے کہاں گئے۔

---

[1] معجم البلدان ج، ص ۴، یہود اور مسلمانوں میں جتنی جنگیں ہوئیں ان سب میں یہ قبائل یہود کے ساتھ تھے۔

بلاذری کی ایک روایت ہے کہ "حضرت عمرؓ نے خیبر کے یہودیوں کے ساتھ وادی القریٰ کے یہودیوں کو بھی جلا وطن کر دیا تھا[1] لیکن یہ بیان محلِ نظر ہے، دوسرے یہ روایت "قیل" کے لفظ سے مروی ہے، جو اس کے ضعف پر دال ہے، اس کے علاوہ کچھ اور بھی دلائل ہیں، جن کی بنا پر بلاذری کی یہ روایت صحیح نہیں معلوم ہوتی، واللہ اعلم

تیماء | وادی القریٰ سے قریب ہی تیمار کی بستی تھی، فدک اور وادی القریٰ کی طرح تیمار بھی مدینہ اور شام کے راستہ پر واقع تھا، یہاں بھی یہود کی آبادی تھی ظہور اسلام سے پہلے یہاں بنو عادیا کا خاندان حکمراں[2] تھا، اس خاندان کا ایک ممتاز فرد سموئل بن عادیا تھا۔ جو اپنی شاعری اور وفا شعاری میں ضرب المثل تھا حضرت رفاعہؓ جن کا تذکرہ اس کتاب میں موجود ہے، اسی کے لڑکے تھے، یہ حضرت صفیہؓ کے ماموں ہوتے تھے۔

بلاذری نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب وادی القریٰ سے واپس ہوئے تو اہل تیمار نے صلح کی درخواست کی۔ اور آپ نے قبول کر لی[3] مگر یہ بیان بھی قابل غور ہے تفصیل آگے آئے گی۔

نجران | بعض اوقات سے پتہ چلتا ہے کہ نجران میں بھی قدیم زمانہ سے یہود آباد تھے لیکن یمن کی یہودی سلطنت کے زوال کا اثر نجران کے یہودیوں پر بھی پڑا، اور آہستہ آہستہ ان کی آبادی وہاں سے ختم ہو گئی اور ان کی جگہ نصرانیوں نے لے لی۔

ظہورِ اسلام سے پہلے نجران میں یہود کی موجودگی کے واقعات کے سلسلہ میں یہ واقعہ

---

[1] فتوح البلدان ص ۴۱، [2] کتاب الشعر والشعراء ص ۴۵، [3] فتوح البلدان ص ۴۲،

ارباب تاریخ اور مفسرین عام طور پر لکھتے ہیں کہ عیسائیوں نے نجران کے کسی یہودی کے دو لڑکوں کو کسی وجہ سے قتل کر دیا۔ یہودی نے یمن کے یہودی حکمران ذونواس سے

دادرسی کی، اس نے نجران پر حملہ کیا[1]، اور وہاں کی عیسائی آبادی کا قتل عام کیا، جس کی طرف قرآن کی اس آیت میں اشارہ ہے[2]،

قُتِلَ اَصۡحٰبُ الۡاُخۡدُوۡدِ النَّارِ ذَاتِ الۡوَقُوۡدِ (بروج) خندق والے یعنی بہت سی ایندھن کی آگ رکھنے والے ملعون ہوئے۔

یہ واقعہ ظہورِ اسلام سے ایک صدی پہلے کا ہے، اس کے بعد ہی یمن کی یہودی سلطنت ذونواس کے بعد ختم ہوگئی، اور پھر یہودیوں کو جزیرہ عرب میں سیاسی غلبہ نہیں ہوا، اس زوال کا اثر یہودیوں کی تمام آبادیوں پر پڑا، ظہور اسلام کے وقت نجران میں عیسائیوں کے ساتھ یہود بھی آباد تھے، مگر تاریخ کی عام کتابوں میں اس کا ذکر نہیں ملتا، البتہ ابوداؤد کی ایک روایت سے ان کی آبادی کا پتہ چلتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ "نجران میں یہود کی آبادی تھی، جو حضرت عمرؓ کے زمانہ تک باقی رہے، اور آپ ہی کے زمانہ میں بعض سیاسی مصلحتوں کی بنا پر جلاوطن کر دیے گئے[3]"

آئندہ اوراق میں "جزیرہ عرب میں عیسائیت" کے عنوان کے تحت اس کی پوری

---

[1] اس حملہ کے سلسلہ میں یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ نجران کے عیسائیوں کا رجحان اور ان کا تعاون دینی رشتہ کی بناء پر حبشہ کی عیسائی حکومت کے ساتھ زیادہ تھا، اور یمن کے یہودی حکمرانوں اور حبشہ کے عیسائی حکمرانوں میں برسوں سے سیاسی کشمکش چلی آرہی تھی، اس کشمکش کی موجودگی میں اہل نجران کی یہ روش یہودیوں کے لیے سیاسی حیثیت سے خلش کا سبب بنی ہوئی تھی، حبشہ پر براہ راست حملہ کرنا ان کے بس سے باہر تھا اس لیے انہوں نے نجران ہی کو اپنی دشمنی کا نشانہ بنایا، ممکن ہے یہودی بچوں کے قتل ہی کو یہودیوں نے نجران پر حملہ کرنے کا ایک سیاسی اور قانونی بہانہ بنایا ہو، جس طرح یمن کے عیسائیوں نے کعبہ پر حملہ کے لئے ایک معمولی بہانہ نکال لیا تھا۔ [2] اس آیت کے شان نزول کے سلسلہ میں تفسیروں میں متعدد واقعات مذکور ہیں، ممکن ہے ایک ہی واقعہ نے متعدد جگہ پر مختلف شکلیں اختیار کر لی ہوں، جیسا کہ عام طور پر اس قسم کے واقعات میں ہوتا ہے۔ [3] ابوداؤد ج ۲ باب اخراج الیہود

تفصیل آئے گی۔

اذرح اور جرباء | جزیرۂ عرب کی سرحد پر یہ بستیاں پاس ہی پاس واقع تھیں، جن میں یہود آباد تھے، اور ان ہی کا غلبہ تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبوک سے واپس ہوئے تو یہاں کے باشندوں نے صلح کی، اہل اذرح نے سو دینار سالانہ اور اہل جرباء نے جزیہ کے طور پر کچھ متعین رقم دینے کی خواہش ظاہر کی، اس پر آپ نے ان سے صلح کر لی ہے[1]

مقنا | یہ بستی خلیج عقبہ (ایلہ) کے کنارے آباد تھی، اس کی حیثیت ایک بندرگاہ کی تھی، یاقوت اور بلاذری دونوں نے لکھا ہے کہ یہاں کے باشندے یہودی تھے[2] مگر یہ کسی نے نہیں لکھا ہے۔ کہ وہ یہاں کب آباد ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے جو معاہدہ کیا تھا، اس سے پتہ چلتا ہے کہ شکار ماہی کتائی اور زراعت ان کا خاص پیشہ تھا،

اہل مقنا کے معاہدہ کے سلسلہ میں کچھ قابل غور باتیں ہیں، جن کا تذکرہ آگے آئے گا۔

بحرین | بحرین فارس اور جزیرہ طلب کی سرحد پر واقع ہے، جو فارس کے ماتحت تھا، یہاں کے باشندے نہ خالص عربی تھے اور نہ عجمی، بلکہ یہ مقام مختلف اور متضاد مذہب اور تہذیب و تمدن رکھنے والی قوموں کا سنگم تھا، عرب و عجم، یہود و نصاری اور مجوس و آتش پرست سب ہی یہاں موجود تھے، عربوں کو جن مقامات پر دوسری قوموں سے ملنے اور قریب سے ان کی تہذیب و ثقافت سے واقف ہونے کا موقع ملا، ان میں ایک بحرین بھی ہے، فتوح البلدان میں ہے کہ

اهل البحرين من المجوس	اہل بحرین کی آبادی مجوس، یہود اور
واليهود والنصارى (ص ۸۶)	نصاری پر مشتمل تھی۔

---

[1] فتوح البلدان ص ۶۶، [2] ایضاً ص ۶۷

عرب کے مشہور قبائل عبدالقیس، بکر بن وائل، تمیم وغیرہ یہیں آباد تھے،

افسوس ہے کہ بحرین کی قدیم تاریخ پردہ خفا میں ہے، ظہور اسلام کے وقت منذر بن ساویؓ وہاں کا حکمران تھا، غالباً یہ عرب تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۶ھ میں جب قریب کے ملوک وسلاطین کو دعوتی خطوط لکھے تو ایک خط منذر والی بحرین کو بھی لکھا، اور حضرت علاءؓ ابن عبد اللہ کے ہاتھ روانہ فرمایا، منذر پر اس خط کا بہت اچھا اثر پڑا، اور وہ حلقہ بگوش اسلام ہو گیا، اس کے ساتھ اہل بحرین کی ایک بڑی تعداد بھی دائرہ اسلام میں داخل ہو گئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منذر کو اس عہدہ پر جوں کا توں باقی رکھا[1]

۸ھ میں منذر نے تحریری طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یہاں کے یہود کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے۔ آپ نے جواب میں لکھا کہ جو لوگ تبلیغ اسلام کے بعد بھی اسلام نہ قبول کریں، ان سے فی کس ایک دینار سالانہ جزیہ لیا جائے[2]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سعادت کے بعد یہاں کے باشندے عام طور پر مرتد ہونے لگے۔ تو حضرت بشر بن جارودؓ جن کا تذکرہ اس کتاب میں موجود ہے۔ انہوں نے اہل بحرین کو ارتداد سے باز رکھنے کی پوری کوشش کی[3]

مکہ و طائف مکہ و طائف میں خالص عرب مشرکین کی آبادی تھی، مگر مکہ کی قدیم تاریخوں میں عربوں اور خصوصیت سے قریش اور یہود میں تجارتی و تمدنی تعلقات کے بیان کے سلسلہ میں یہود کا ذکر بھی آتا ہے۔ جس سے یہ بحث پیدا ہوتی ہے کہ آیا مکہ و طائف میں بھی عرب مشرکین کے ساتھ یہود آباد تھے یا نہیں، بعض مستشرقین نے یہ ثابت کیا ہے کہ اسلام سے پہلے مکہ میں عربوں کے ساتھ یہود بھی آباد تھے[4] مگر عربی تاریخوں سے اس

---

[1] فتوح البلدان ص ۸۶ [2] ایضاً ص ۹۱ اور سیاسی زندگی ڈاکٹر حمید اللہ ص [3] فتوح البلدان ص ۹۱ [4] تاریخ الیہود ص ۹۴

کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، اس لیے اس کی صحت میں ہم کو تامل ہے۔

اس سلسلہ میں قابل غور بات ہے کہ اگر مکہ میں یہود موجود ہوتے تو قریش کا وفد مکہ کے یہودیوں کو چھوڑ کر مدینہ کے پاس کیوں جاتا جیسا کہ ابن ہشام اور دوسرے ارباب سیر نے تصریح کی ہے کہ قریش نے نضر بن حارث اور عقبہ بن معیط وغیرہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بارے میں کچھ باتیں دریافت کرنے کے لیے مدینہ بھیجا تھا چنانچہ مفسرین نے لکھا ہے کہ اصحاب کہف، روح اور ذوالقرنین کے سلسلہ میں جو آیات نازل ہوئیں۔ ان کا سبب نزول یہی واقعہ ہے۔

بہ ضرور ہے کہ اہل مکہ اور یہود میں گوناگوں تعلقات تھے۔ مکہ کے عکاظ اور مجنہ کے بازاروں میں یہودی تاجر اور کاہن شریک ہوتے تھے۔ جہاں کہانت کی شعبدہ بازیاں زیادہ تر ان ہی کے دم سے قائم تھیں۔ مکہ میں بعض یہودی غلاموں کا تذکرہ بھی ملتا ہے، پھر مکہ کے قریب ہی بنو کنانہ آباد تھے، جن میں یہودیت موجود تھی، میں سمجھتا ہوں کہ ان ہی وجوہ کی بنا پر یہ خیال قائم کر لیا گیا کہ یہاں یہود موجود تھے۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے۔

البتہ طائف کے متعلق یہ کہنا صحیح ہے کہ یہاں قدیم زمانہ سے یہودیوں کی ایک نو آبادی موجود تھی، فتوح البلدان میں ہے۔

کان بمخلاف الطائف قوم من	طائف کے ایک حصہ میں یہودیوں
الیهود طردمن الیمن ویثرب	کی آبادی تھی، جو یمن و یثرب سے
فاقاموا بها للتجارة (ص ۶۳)	نکال دیئے گئے تھے اور بسلسلۂ تجارت
	یہاں آکر آباد ہو گئے تھے۔

جب طائف پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا تو وہاں کے یہودیوں پر جزیہ لگایا گیا، بلاذری کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے حضرت معاویہؓ نے یہاں کے بعض یہودیوں کی جائیداد خریدی تھی۔[1]

---

[1] فتوح البلدان ص ۶۳

اس سے زیادہ یہاں کے یہودیوں کے وجود کے متعلق کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔

تبالہ و جرش تبالہ و جرش طائف کے جنوب میں واقع ہیں، تاریخوں میں ہے کہ ان بستیوں میں بھی عربوں کے ساتھ اہل کتاب آباد تھے، یہ بصراحت معلوم نہیں ہو سکا کہ اہل کتاب سے یہود و نصاریٰ دونوں مراد ہیں یا صرف یہود، لیکن ہمارا قیاس ہے کہ دونوں مراد ہیں، اور دونوں آباد ہوں گے، اس لیے کہ اکثر مرکزی مقامات میں دونوں کے آباد ہونے کا پتہ چلتا ہے، جیسا کہ مقنا اور بحرین کے سلسلہ میں ذکر آ چکا ہے۔

یہ بہت ہی قدیم اور زرخیز بستیاں تھیں، اور خصوصیت سے تبالہ کے بارے میں تو یاقوت نے لکھا ہے "اس کی زرخیزی ضرب المثل ہے"[1]

سنہ۱۰ھ میں یہاں کے عرب باشندوں نے تو اسلام قبول کر لیا لیکن اہل کتاب ہے اپنے دین پر قائم رہے، اور انھوں نے جزیہ دینا قبول کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں کی امارت پر حضرت سفیانؓ کا تقرر فرمایا تھا۔[2]

یہودیوں کی ان یکجا آبادیوں کے علاوہ عرب کے مختلف قبائل میں ایک ایک دو دو اشخاص ملتے ہیں جنھوں نے یہودیت قبول کر لی تھی، اور بعض ایسے عربی قبائل کا بھی پتہ چلتا ہے، جو پورے کے پورے دائرہ یہودیت میں داخل ہو گئے تھے، مثلاً حمیر، بنو کندہ، بنو کنانہ بنو الحارث، قضاعہ[3]، غسان اور جذام کے بعض خاندانوں میں بھی یہودیت تھی۔[4]

یہودی قبائل اور ان کی آبادیوں کا ذکر اس وسعت کے ساتھ اس لیے کیا گیا ہے، کہ یہ معلوم ہو جائے، کہ جزیرہ کے اندر جتنے بھی تجارتی، زراعتی، سیاسی، مرکزی مقامات تھے، تقریباً ان سب پر یہودیوں کا قبضہ تھا، یا کم از کم وہاں ان کا اثر و رسوخ تھا، دوسرے آئندہ جو

---

[1] معجم البلدان ج ۲ ص ۲۵۶ / [2] فتوح البلدان ص ۶۶، [3] معارف ابن قتیبہ ص ۲۶۶

[4] یعقوبی ج ۱ ص ۲۹۸

مباحث آنے والے ہیں ان میں بھی اس تفصیل سے واقعات کے سمجھنے میں بہت کافی مدد ملے گی۔

اسلام سے پہلے عربوں اور یہودیوں کے تعلقات اور اس کی نوعیت

جزیرہ عرب میں یہودیوں کی آمد اور ان کی آبادیوں کی جو تفصیل بیان کی گئی ہے، اس سے اجمالاً عربوں اور یہودیوں کے تعلقات پر بھی روشنی پڑتی ہے، مگر پھر بھی اس سلسلہ میں مزید تفصیل کی ضرورت ہے، تاکہ ان کے تعلقات کی تمام جہتیں اور ان کی نوعیتیں پورے طور سے سامنے آجائیں۔

اسلام سے پہلے عربوں اور یہودیوں میں گوناگوں معاشرتی اور تمدنی تعلقات تھے، مگر ان کے باوجود ذہنی طور پر ان میں ایک طرح کی اجنبیت اور مغائرت بھی موجود تھی، مگر وہ وطنی اور معاشرتی نہیں تھی، بلکہ معاشی اور مذہبی تفوق یا افضلیت و مفضولیت کی تھی، یہود دین الٰہی کے ماننے والے اور صحف سماوی کے حامل تھے، پھر اسی کے ساتھ ان کو پورے جزیرہ میں معاشی غلبہ بھی حاصل تھا، اس لیے وہ عام عربوں کے مقابلہ میں اپنے کو اصل اور بہتر سمجھتے تھے،

غالباً اسی تفوق پسندی ہی کا نتیجہ تھا کہ یہود خالص عرب آبادی میں بہت کم آباد تھے اور جہاں عربوں کے ساتھ وہ آباد بھی تھے، تو وہاں انہوں نے اپنا تفوق قائم رکھنے کے لیے کوئی نہ کوئی امتیاز بھی باقی رکھا، یہودیوں آبادیوں کے نقشے پر آپ نظر ڈالیں گے تو عاجز کے اس خیال کی پوری تائید ہوگی۔

مگر چونکہ ان کے پورے جزیرہ میں عددی اکثریت حاصل نہیں تھی، اور دوسرے ان کے تجارتی اسباب وسامان اور زراعتی پیداوار وحاصلات کی منڈی زیادہ تر عرب ہی آبادیاں تھیں، اس لیے وہ عربوں سے بالکل منقطع اور بے تعلق ہو کر نہیں رہ سکتے تھے، یہی وجہ ہے کہ اس تفوق کے باوجود انہوں نے ہمیشہ عربوں سے اپنے تعلقات استوار رکھنے کی کوشش کی، جیسا کہ ہر تجارت پیشہ اور کاروباری قوم کا شیوہ ہوتا ہے، اسی کے مقابلہ میں عام اہل عرب

مذہبی اور معاشی دونوں حیثیت سے اپنے کو یہود سے کمتر سمجھتے تھے، اور وہ شاید سمجھنے پر مجبور بھی تھے، اس لیے کہ ان نعمتوں سے جو یہودیوں کو حاصل تھیں، ان کا دامن قریب قریب خالی تھا، نہ تو ان کے پاس کوئی کتاب الٰہی تھی اور نہ معاشی حیثیت سے وہ مطمئن تھے قریش جو تجارت میں معروف و مشہور تھے، اور جن کو کعبہ کے کلید بردار اور نگران ہونے کی وجہ سے سارے عرب کی سیادت ہی نہیں بلکہ پورے جزیرۂ عرب کی بے تاج کی بادشاہی بھی حاصل تھی، وہ بھی یہود کی مذہبی افضلیت و تفوق کے معترف اور ان کی معاشی برتری کے ماننے پر مجبور تھے،

قرآن نے متعدد جگہ اس طرف اشارہ کیا ہے کہ اگر تم کو (اہل عرب) رسول کی سچائی اور دین حق میں شبہہ ہو تو اہل کتاب سے پوچھ لو، احادیث و سیر کی کتابوں سے ثابت ہے، کہ قریش نے متعدد بار اپنے وفود مدینہ کے یہود کے پاس اس لیے بھیجے کہ وہ آپ کی نبوت اور آپ کے صفات کتب سابقہ کی روشنی میں ان سے دریافت کریں، اسی تفوق و فضیلت ہی کا اثر تھا کہ جب لوگوں کے بچے زندہ نہیں رہتے تھے تو وہ منت مانتے تھے کہ بچہ زندہ رہ جائے گا تو اسے یہودی بنا دیں گے، چنانچہ مدینہ میں اس طرح کے بہت سے جدید الیہودیہ افراد موجود تھے[1] تفصیل آگے آئے گی،

معاشی حیثیت سے بھی یہود کو عربوں پر عام طور سے تفوق حاصل تھا، مدینہ کی بیشتر عرب آبادی ان کی مقروض تھی، خیبر کا بھی یہی حال تھا، وہاں وہ عربوں سے مزدوری کراتے تھے، جس وقت خیبر فتح ہوا ہے، اس وقت بہت سے عرب خدمت گاران کے پاس موجود تھے، قریش جو پورے عرب میں ممتاز اور صاحب "رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ" تھے وہ بھی شادی بیاہ کے موقع پر خیبر کے یہودیوں سے زیورات کرایہ پر لے جاتے تھے، ایک

---

[1] ابوداؤد ج ۲ ص ۹ کتاب الجہاد [2] ابن ہشام وغیرہ

مرتبہ اسی طرح کے مستعار زیورات گم ہوئے تو قریش نے یہودیوں کو دس ہزار دینار[1] ہرجانہ ادا کیا۔

کہنا یہ ہے کہ اسلام سے پہلے عربوں اور یہودیوں میں باہم معاشی اور معاشرتی تعلقات تھے، اور باوجود تفوق و مذہبی مغائرت کے جنگ وغیرہ کے مواقع پر اپنے مصالح کے ماتحت عربی قبائل سے وہ تحلیف و معاہدہ کرتے تھے، اور اس میں شریک ہوتے تھے،

مدینہ کے مشہور عربی قبائل اوس و خزرج میں جتنی لڑائیاں[2] ہوئیں، ان میں وہاں کے یہودی قبائل کسی نہ کسی کے حلیف تھے، اسی طرح خیبر کے یہودیوں سے آس پاس کے تمام قبائل سے معاہدۂ جنگ تھا، چنانچہ اسلامی غزوات کے مواقع پر انہوں نے اس حلف و معاہدہ سے پورا فائدہ اٹھایا[3]

یہی نہیں بلکہ بعض عربی قبائل اور یہودیوں میں شادی بیاہ کے رشتے بھی شروع ہو گئے تھے، کعب جو یہود مدینہ کا اشعر الشعراء اور سب سے بڑا دشمن اسلام تھا، اس کا باپ اشرف قبیلہ طے اور بعض روایتوں میں ہے کہ بنو نبہان سے تھا، جس نے مدینہ میں آکر اپنا اثر و رسوخ پیدا کیا، اور سردار بنو نضیر ابورافع کی لڑکی سے شادی کر لی تھی[4] اسی طرح مدینہ کے یہود اور عربی قبائل میں بھی غالباً اسی قسم کے تعلقات تھے، اور خصوصیت سے وہ قبائل جو جدید الیہودیہ[5] تھے،

ظہور اسلام سے پہلے یہود اور عرب کے ایک دوسرے پر تمدنی اور معاشرتی اثرات	یہ تو اب تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ عرب اسلام سے پہلے دنیا سے بالکل منقطع نہیں ہو گئے تھے،

---

[1] السیر الکبیر جلد ۱ ص ۱۸۶، تقریباً ۲۵ ہزار روپے ہوئے۔ [2] مثلاً جنگ فجار اور جنگ بعاث وغیرہ۔ [3] مثلاً غزوۂ بدر، غزوۂ خندق، غزوۂ خیبر وغیرہ [4] زرقانی ج ۲ ص ۹۔ [5] ان قبائل کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔

بلکہ دنیا کے دوسرے ملکوں سے ان کا ہمیشہ واسطہ رہا اور دنیا کی مختلف قوموں کے تمدنی اور مذہبی اثرات بھی ان پر پڑے تھے، اسی طرح ان ملکوں اور قوموں پر بھی انہوں نے اپنے اثرات ڈالے جن سے ان کا واسطہ رہا یا جو جزیرہ عرب میں آباد تھیں،

یہود ایک قدیم قوم تھی، جو دنیا کے ہر خطہ میں آباد تھے خصوصیت سے عراق، ایران مصر، یونان اور شام کے علاقہ میں ان کی کثیر آبادی تھی لیکن اس قدامت کے باوجود ان کی قسمت میں زیادہ تر ہجرت ہی مقدر تھی، یا ان کی طبیعت ہی ایسی تھی کہ کسی ایک جگہ جم کر نہیں رہ سکتے تھے، جو بات بھی ہو، بہر حال ایسا ضرور ہوا کہ وہ جہاں بھی آباد ہوئے وہاں سے انہیں ہجرت ضرور کرنی پڑی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کو دنیا کی مختلف قوموں اور ان کے تمدنوں اور تہذیبوں سے واسطہ پڑا، کسی کو کچھ دیا اور کسی سے کچھ لیا۔

عرب میں جو یہود آباد تھے، جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا ہے کہ ان کی اکثر آبادی باہر سے اور خصوصیت سے شام و فلسطین کے علاقوں سے ہجرت کر کے آئی تھی، ظاہر ہے کہ وہ جب یہاں آئے تو ان ملکوں اور قوموں کے تمدنی اور مذہبی اثرات بھی اپنے ساتھ لائے جن سے ان کا واسطہ رہ چکا تھا، اور چونکہ یہ جزیرہ عرب کے ہر خطہ میں آباد تھے اس لیے انہوں نے پورے جزیرہ کی عرب آبادی کو اس سے کم و بیش متاثر کیا، لیکن یہ اثرات صرف ایک ہی طرف سے نہیں، ہر دو طرف سے پڑے تھے، بلکہ بعض حیثیتوں سے تو عربوں کے اثرات ان پر زیادہ معلوم ہوتے ہیں، اسی بناء پر بعض مستشرقین نے یہ رائے قائم کر لی کہ جزیرہ عرب کے یہود دنیا سے بالکل منقطع ہو چکے تھے۔ اور ان میں یہودی خصوصیات باقی نہیں رہ گئی تھیں، اور بعض نے یہ خیال قائم کر لیا کہ جزیرہ عرب کے یہود باہر سے ہجرت کے سرے سے آئے ہی نہیں تھے،

اب ہم مختصر طور سے یہود کے اثرات کا ذکر کرتے ہیں جس کے ضمن میں عربوں کے بعض اثرات کا بھی ذکر آیا ہے، اوپر ذکر آچکا ہے کہ یہود کو عربوں پر مختلف حیثیتوں سے

تفوق حاصل تھا جس کا عرب بھی اعتراف کرتے تھے، اور بہت سے معاملات میں انہی کی اقتدا کرتے تھے، ابن عباسؓ کے اثر سے بھی اس پر روشنی پڑتی ہے، وہ فرماتے ہیں،

کان ھذا الحی من الانصار وھم	یہ انصار کے قبائل اہل کتاب کے
اھل وثن مع ھذا الحی وھم اھل	قبائل کے ساتھ آباد تھے انصار ان کو
الکتاب، فکانوا یرون فضلا علیھم	علم وفضل میں اپنے سے افضل سمجھتے
فی العلم وکانوا یقتدون فی	تھے اور اکثر معاملات زندگی میں ان
کثیر من فعلھم (ابوداؤد)	کی اقتدا کرتے تھے۔

یہود کے پیشے | جزیرۂ عرب میں جہاں بھی یہود آباد تھے، عموماً ان کے خاص تین پیشے تھے، زراعت، تجارت اور صنعت وحرفت۔

زراعت | بعض مستشرقین کا خیال ہے کہ زراعت میں یہود عربوں کے استاد تھے[1] اس کا یہ مطلب نہیں کہ عرب یہود کی آمد سے پہلے زراعت کرنا نہیں جانتے تھے، اور یہود نے آکر ان کو سکھایا، بلکہ انہوں نے زراعت کے نئے نئے طریقے، اور اس کے لیے جدید قسم کے آلات عربوں کو بتائے، اور بعض نئے قسم کے پودوں اور درختوں سے ان کو آگاہ کیا[2] جن سے پہلے یہاں کے لوگ واقف نہیں تھے، اسی طرح یہودیوں کو پرندوں اور جانوروں کے پالنے کا بھی شوق تھا[3]

حجاز کے یہود عموماً شام وفلسطین سے آئے تھے، جہاں کی زمین زرخیزی اور زراعت کی موزونیت کے لحاظ سے ضرب المثل تھی، اس لیے وہاں سے آنے والے یہودیوں نے اگر عربوں کو نئے طریقہ زراعت سے آگاہ کیا ہو تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے پھر شام کی سرزمین کو صحف قدیم میں تین[4] و زیتون کی زمین کہا گیا ہے، بہت ممکن ہے کہ یہ اور اسی قسم

---

[1] تاریخ الیہود ص ۱۷ و ۱۸، [2] ابن ہشام بحوالہ تاریخ الیہود، [3] فتوح البلدان ص ۶۶، ۶۰، [4] انجیل اور زیتون قرآن نے بھی سورۃ تین میں ان چیزوں کا تذکرہ کیا ہے،

کے اور دوسرے درخت بھی یہودیوں کے ذریعہ جزیرہ میں آئے ہوں،

لیکن جانوروں کے پالنے کا شوق تو اس میں دونوں شریک ہیں، بلکہ کہنا چاہیئے کہ یہودیوں سے کہیں زیادہ عربوں میں تھا، اس لیئے کہ جزیرہ عرب کی بیشتر آبادی کا مدار زندگی جانوروں کے دودھ پر ہی تھا، دوسرے وہاں کی زیادہ تر آبادی خانہ بدوش تھی، جن کو ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے اور اسباب لیجانے کے لئے بھی جانوروں کی ضرورت ہوتی تھی، یہ بات ضرور ہے کہ عرب زیادہ تر نقل وحمل اور دودھ اور غذا کے لئے جانوروں کی پرورش کرتے تھے، ہوسکتا ہے کہ زراعت اور اس کی سیرابی وغیرہ کے لئے جانوروں کی پرورش اور ان کا گوناگوں استعمال عربوں نے یہود سے سیکھا تھا،

"تاریخ الیہود" کے مصنف نے ابن ہشام کے حوالہ سے لکھا ہے کہ بعض یہود مرغیاں بھی پالتے تھے، مگر مجھے ابن ہشام میں یہ واقعہ نہیں مل سکا، اگر یہ صحیح ہے تو یہ یہود کی خصوصیت تھی،

تجارت ظہور اسلام کے وقت اور اس سے بہت پہلے سے یہود اور عرب دونوں جزیرہ میں اور جزیرہ کے باہر تجارت کرتے نظر آتے ہیں، اور خصوصیت سے قریش تو اس حیثیت سے پورے عرب میں ممتاز تھے، اس لئے ان میں سے کسی ایک کو مقدم یا موخر کرنا بہت دشوار ہے، تاہم یہ صحیح ہے کہ یہود کئی سو برس قبل مسیح سے تجارت کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، اور جہاں بھی وہ رہے، یہ پیشہ ان کے ساتھ رہا، جزیرہ عرب میں آئے تو یہاں بھی انہوں نے یہی پیشہ اختیار کیا، جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں، دوسرے اپنی سکونت ورہائش کے لئے بھی انہوں نے خاص طور سے جزیرہ کے ان ہی خطوں اور علاقوں کو پسند کیا، جن میں پہلے سے کچھ زرعی وکاروباری صلاحیت موجود تھی، بخلاف اس کے عربوں کی عام بستیوں اور آبادیوں کو اس طرح کی کوئی خصوصیت حاصل نہیں تھی، ہاں مکہ کو کعبۃ اللہ اور بیت الحرام کی وجہ سے دینی اہمیت و مرکزیت ضرور حاصل تھی، اور اسی کی کشش دور دور سے لوگوں کو یہاں کھینچ لاتی تھی، اور اس طرح وہ سال کے کچھ مہینوں میں تجارتی منڈی بن جاتا تھا، لیکن بذات خود اس میں کوئی زرعی یا تجارتی صلاحیت

نہیں تھی، اور اسی لئے رب کعبہ نے اس کو قرآن پاک میں وادی "غیر ذی زرع" سے تعبیر کیا ہے،

پورے حجاز میں طائف اور مدینہ دو ایسے مقامات تھے جنہیں تجارتی اور زرعی اہمیت بھی حاصل تھی، اور جہاں عربوں کی عددی اکثریت بھی تھی، اور یہود اقلیت میں تھے، مگر وہاں کی تجارت و زراعت پر یہودی ہی چھائے ہوئے تھے ان دونوں مقامات کا تذکرہ اوپر آچکا ہے،

یہ وجوہ ہیں، جن کی بنا پر ہمارا قیاس ہے کہ یہ پیشہ عربوں میں یہودیوں ہی کے ذریعہ آیا ہوگا،

تجارتی بازار | عربوں کی ہر مشہور بستی میں چھوٹے بڑے میلے اور بعض جگہ ہفتہ وار بازار لگتے تھے[1] ان کے سال میں بعض اور بھی بڑے بڑے بازار اور میلے لگتے تھے، جہاں یہود کے شرکت کی تصریح کم ملتی ہے، مگر وہ ان میں شریک ضرور ہوتے ہوں گے، اس لیے کہ جزیرۂ عرب کے ۲۰ مشہور شہروں میں سے تقریباً دس، گیارہ شہروں میں یہود کا معاشی و اقتصادی غلبہ تھا، محمد بن حبیب نے لکھا ہے کہ بحرین اور دومۃ الجندل میں جہاں یہود آباد تھے، دو مشہور میلے لگتے تھے[2] یقیناً ان میلوں میں ان کی مؤثر شرکت ہوتی ہوگی، مدینہ میں ایک بازار سوق بنی قینقاع تو یہود کے مشہور قبیلے قینقاع ہی کے نام سے مشہور تھا، جس کا تذکرہ سیر کی کتابوں میں موجود ہے،

سامان تجارت | سامان تجارت میں عموماً غلے، کھجوریں، اسلحے اور کپڑے وغیرہ ہوتے تھے، جنہیں یہ بیچنے کے لیے باہر لے جاتے تھے، بعض حصوں کے یہود مچھلی کی بھی تجارت کرتے تھے، مثلاً مقنا کے یہودیوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو معاہدہ کیا تھا اس میں جو چیزیں بطور ٹیکس لینا طے پائی تھیں ان میں مچھلیاں بھی تھیں[3]،

ظہور اسلام کے وقت جزیرہ سے باہر یہود سے زیادہ عرب اور ان میں بھی خصوصیت سے اہل مکہ ہم کو تجارتی سفر کرتے نظر آتے ہیں، ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہود جن کا قدیم زمانہ سے عرب

---

[1] نظام حکمرانی ڈاکٹر حمید اللہ ص ۲۳۴ [2] کتاب المحبر ص ۱۸۷

[3] فتوح البلدان ذکر مقنا

سے باہر بھی کاروبار تھا، اور جن کا ایک فرد، ابورافع یہودی آخری دور میں بھی، بہت زیادہ مشہور تھا، یہاں تک کہ اس کا لقب، ہی تاجر الحجاز والشام پڑ گیا تھا[۱] ظہور اسلام کے وقت وفعتاً ان کی برآمدی تجارت کیوں کم ہوگئی، اور ان کا کاروبار اندرون ملک تک کیوں محدود ہو کر رہ گیا۔

اسی کے ساتھ یہ بھی قابل ذکر امر ہے کہ پورے جزیرۂ عرب میں ربا یعنی سود خوری کا بھی رواج تھا، جس میں یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب سب برابر کے شریک تھے خصوصیت سے اہل طائف سودی کاروبار میں زیادہ مشہور تھے، معجم البلدان میں ہے،

کانوا اصحاب ربا[۲] — اہل طائف بڑے سود خور تھے،

مشرکین عرب اگر سودی کاروبار کرتے تھے، تو کچھ زیادہ تعجب خیز نہیں ہے، لیکن یہود و نصاریٰ کی سود خواری البتہ حیرت انگیز ہے کہ وہ صاحب شریعت اور اہل کتاب تھے، اور قرآن کی تصریح ہے کہ ان کو جہاں اور بہت سی باتوں پر ملامت کی گئی تھی، اور ان کو ان سے روکا گیا تھا، ان میں ایک سود بھی تھا، مگر وہ باز نہ آئے:

وَاَکْلِهِمُ الرِّبٰو وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ — اور ان کے سود لینے کی وجہ سے ملامت کی گئی حالانکہ وہ اس سے روکے گئے تھے۔

البتہ عربوں کا خیال تھا کہ ربا بھی ایک قسم کی تجارت ہے قرآن میں ہے،

قَالُوْا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰو — ان لوگوں نے کہا کہ بیع مثل ربا کے ہے،

بہرحال یا تو یہ لعنت یہود کے ذریعہ عربوں میں آئی، یا عربوں کے اثر سے یہود اس میں مبتلا ہوئے، دونوں باتوں کا امکان ہے،

---

[۱] تاریخ الخمیس ج ۲ ص ۱۱۲، صحیح بخاری باب قتل النائم والمشرک [۲] فتوح البلدان ص ۶۷، ۶۸

لیکن سورۂ مائدہ میں جہاں یہود کے ان مصائب کا جو بہت قدیم زمانہ سے ان میں موجود تھے، تذکرہ ہے، ان میں ایک سودخوری بھی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت قدیم زمانہ سے وہ اس میں مبتلا تھے، اس کے برخلاف عربوں کی تجارت کی تاریخ بہت زیادہ قدیم نہیں ہے، اس لئے غالب گمان یہ ہے کہ اس طریق تجارت کو یہود ہی نے یہاں فروغ دیا ہوگا، جس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ ربا کا جتنا عام رواج یہود میں تھا اور اسی کی جتنی سخت سے سخت شرحیں وہ مقرر کرتے تھے، عرب اس میں ان سے پیچھے تھے۔

رہن دارتہان کا طریقہ بھی یہود اور عرب دونوں میں رائج تھا خصوصیت سے مدینہ اور خیبر کے یہودیوں میں یہ بہت عام تھا، یہ بھی سودخواری ہی کی ایک شاخ تھی مگر اس کو بھی وہ ایک قسم کی تجارت سمجھتے تھے۔

صنعت وحرفت — صنعت وحرفت کا رواج اگرچہ جزیرہ عرب کے تمام باشندوں میں تھا مگر یہود اس میں بہت ممتاز تھا، اور وہ عموماً کپڑے، اسلحے اور سونے اور لوہے کا کام کرتے تھے، اور بعض حصوں میں یہودیوں میں لکڑی کی صنعت[1] بھی تھی، روئی کی کتائی اور کپڑے کی بنائی میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی حصہ لیتی تھیں، یثرب کے یہودیوں میں تو کپڑے کی صنعت بہت کم تھی، مگر مقنا، دومۃ الجندل اور یمن کے یہودی اس میں بڑی مہارت رکھتے تھے[2]۔

اسلحہ سازی یہود کا خاص پیشہ تھا، یہود جس جگہ بھی آباد تھے، یہ صنعت ان میں موجود تھی، مدینہ میں بنو قینقاع اور خیبر کے یہودی اس میں بہت ممتاز تھے اس زمانہ کے ہر قسم کے مروج اسلحے مثلاً تلوار، برچھے، ڈھال، خود اور زرہ وہ تیار کرتے تھے، خیبر کے یہود تو شاید منجنیق تک جو اس وقت کا سب سے ترقی یافتہ اسلحہ تھا، تیار کرتے تھے، غزوۂ خیبر میں انہوں نے مسلمانوں کے خلاف اسے استعمال بھی کیا تھا[3] کیا عجب ہے کہ مسلمانوں کو منجنیق یہیں سے ہاتھ لگی ہو،

---

[1] ابن سعد ج ۲ ص ۲۸، فتوح البلدان ۶۷، ۶۸ ۔ [2] فتوح البلدان

جس کو انہوں نے بعد میں طائف وغیرہ کی جنگ میں استعمال کیا۔

اس صنعت کی وجہ سے یہود اپنے کو دفاعی حیثیت سے بہت زیادہ مضبوط اور مامون تصور کرتے تھے، اور اس کی وجہ سے ان میں ایک قسم کا غرور و تکبر بھی پیدا ہو گیا تھا چنانچہ بنو قینقاع نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بطور تحدی کے کہا تھا کہ ہم سے مقابلہ ہوگا تو معلوم ہوگا۔

فن تعمیر میں بھی عربوں کے مقابلہ میں یہود زیادہ ترقی یافتہ تھے، مدینہ اور خیبر کے یہودیوں کے بعض مکانات اور قلعوں کے نشانات اب بھی باقی ہیں، جو ان کے ذوقِ تعمیر کی شہادت دیتے ہیں۔

عربی ادب میں یہود کا حصہ | یہود کی مادری زبان عبرانی تھی مگر جزیرہ عرب میں آکر ان کی زبان رفتہ رفتہ بالکل عربی ہو گئی تھی ان میں عبرانی زبان مذہبی حیثیت سے اب بھی باقی تھی جس کو ان کے علماء و احبار جانتے تھے۔ اس میں ان کی مذہبی کتابیں تھیں، اور اسی زبان میں وہ ان کی تلاوت کرتے تھے، مگر عوام شائد اس قدر بھی عبرانی نہیں جانتے تھے۔

لا یعلمون الکتاب الا امانی ۔ ان میں بعض ہیں جو کتاب کا علم نہیں رکھتے مگر صرف خواہشات

بخلاف اس کے ان کی روزمرہ کی زبان اور ان کی شاعری کی زبان عربی تھی اور اسی میں وہ کاروبار اور معاہدۂ صلح و جنگ کرتے تھے، یہ ضرور ہے کہ عبرانی زبان کی سینکڑوں ترکیبیں، مذہبی اصطلاحیں اور تمدنی و معاشرتی الفاظ ان کی زبان پر چڑھے ہوئے تھے جو ان کے ذریعہ عربی زبان میں داخل ہوئے، خود قرآن مجید میں ایسے متعدد الفاظ موجود ہیں، جن کے متعلق مفسرین نے لکھا ہے کہ عبرانی زبان سے عربی میں آئے ہیں۔

مثلاً حبر کا لفظ عربی ادب اور خود قرآن میں مستعمل ہے، عبرانی میں ابتداً اس کے معنی رفیق (۲۹ ج ۲۔) کے تھے۔ پھر یہ گروہ اور مذہبی فرقہ کے معنی میں مستعمل ہونے لگا، اس کے بعد عالم کے معنی میں استعمال ہوا، اور اس وقت عربی زبان میں اس معنی میں مستعمل ہے اسی طرح تلیسی کے لفظ

کے متعلق بعض مستشرقین نے لکھا ہے کہ عبرانی لفظ ہے۔ عبرانی میں الناسی (دن، N) اس شخص کو کہتے ہیں جو مہینوں کو مقدم و مؤخر کرتا تھا۔ عربی مورخین لکھتے ہیں کہ عربوں میں نلیئی کا رواج سب سے پہلے بنو کنانہ میں شروع ہوا۔ اوپر ذکر آچکا ہے کہ بنو کنانہ میں یہودیت موجود تھی اس لیے ممکن ہے کہ یہ طریقہ انہوں نے یہودیوں سے سیکھا ہو، اور پھر عربوں میں اس کو رواج دیا ہو۔ اس خیال کی تائید مقریزی اور بیرونی کے بیان سے بھی ہوتی ہے، انہوں نے لکھا ہے کہ عمل کبیسہ اہل عرب نے یہود سے دو سو برس قبل اسلام سیکھا تھا[1]

لفظ آطام کے متعلق بھی بحث ہے کہ یہ خالص عربی لفظ ہے، یا عبرانی، اس لفظ کے جتنے عربی مشتقات ہیں، ان سب میں ارتفاع، بلندی، حفاظت اور بند کرنے کے معنی پائے جاتے ہیں[2] جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ عبرانی سے عربی میں آیا ہے، اس لیے کہ عبری میں اطم تقریباً ان ہی مذکورہ معنوں میں مستعمل ہے، ظہور اسلام کے وقت یہ لفظ عام طور پر قلعوں اور اونچے ٹیلوں کے معنی میں بولا جاتا تھا۔ مگر یہود خصوصیت سے اطم کو قلعہ کے علاوہ ان مقامات کے لیے بھی استعمال کرتے تھے۔ جن میں وہ جمع ہو کر مشورہ کرتے تھے[3] یہ لفظ زیادہ تر شمالی حجاز میں مستعمل تھا، عرب کے دوسرے حصوں میں اس کا استعمال شاذ نہیں تھا، اگر تھا تو بہت کم جو اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ یہود کے ذریعہ یہاں آیا، ان وجوہ کی بنا پر اسے عبرانی کہنا زیادہ صحیح ہے۔

امام سیوطی نے قرآن کے ان جملوں کو عبرانی سے ماخوذ بتایا ہے۔

کفر عنهم سیأتهم اس کے معنی عبرانی میں محاعنهم ہیں، اخلد الی الارض کے معنی عبرانی میں رکن ہیں، انا هدنا الیك کے معنی شبحنا الیك ان الفاظ کو بھی عبرانی الاصل بتایا گیا ہے[4]

رص، صرقوم، اوّاه، یمّ، حطة، اسباط، راعنا، بعیر، لینة، تدسیس ابلیس، جهنم، شیطان،

---

[1] تاریخ الیہود بحوالہ الآثار الباقیہ [2] دیکھیے لفظ اطم لسان العرب ج ۱۴

ان میں بعض لفظ ایسے ہیں جن کے ساتھ ایک دینی اصطلاح اور ایک تاریخ وابستہ ہے ظاہر ہے کہ ان اصطلاحوں اور ان واقعات کی تفصیل سے زیادہ تر یہود ہی واقف تھے، اس لیے اہل عرب ان کے متعلق سوالات کرتے ہوں گے، اور وہ ان کی تشریح کرتے ہوں گے جس سے کتنے نئے واقعات اور کتنے نئے تصورات، کتنے جدید الفاظ سے عربی زبان کا دامن مالامال ہوتا ہو گا، اسی بنا پر اہل عرب یہود کے بارے میں کہتے تھے،

لکم علم لیس لنا[1]	تم لوگوں کے پاس علم ہے جس سے ہم بے بہرہ ہیں،

تحریر کا رواج اس سلسلہ میں یہ بھی بحث آتی ہے کہ عربی تحریر کا رواج سب سے پہلے کس کے ذریعہ ہوا؟ صاحب فتوح البلدان نے عربی خط پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سب سے پہلے قبیلہ طے کے چند افراد نے عربی خط ایجاد کیا، اور اس کے حروف تہجی کی بنیاد انہوں نے سریانی زبان پر رکھی، اس کے بعد ان سے اہل انبار نے اور اہل انبار سے اہل حیرہ نے سیکھا، پھر اہل حیرہ سے دومۃ الجندل کے حکمران بشر بن عبدالملک نصرانی نے سیکھا، اور اسی نے اس کو مکہ میں رواج دیا[2] پھر آگے لکھا ہے کہ قبیلہ طے کے ان ہی افراد سے بنو کلب اور اہل وادی القریٰ نے بھی عربی تحریر سیکھی[3]

اس بیان سے اتنا تو معلوم ہوتا ہے، کہ یہ عربوں ہی کی ایجاد ہے، مگر اس کی ایجاد کا جو زمانہ اس میں بیان کیا گیا ہے وہ ظہور اسلام سے کچھ ہی پہلے کا ہے، حالانکہ عربی خط کی تاریخ اس سے قدیم ہے۔

معجم البلدان کا ایک دوسرا بیان یہ ہے۔

کان الکتاب (الکتابۃ) بالعربیۃ فی الاوس والخزرج قلیلاً	قبیلہ اوس اور خزرج کے لوگ عربی میں لکھنا پڑھنا بہت کم جانتے تھے

---

[1] ابن ہشام بحوالہ تاریخ الیہود ص ۷۸ [2] فتوح البلدان ص ۴۷۸ [3] ایضاً

وکان بعض الیہود قد علم	مدینہ کے بعض یہود نے بہت قدیم
کتاب العربیۃ وکان تعلمہ	زمانہ سے عربی میں لکھنا پڑھنا سیکھ لیا
الصبیان بالمدینۃ فی الزمن	تھا، اور اپنے بچوں کو بھی اس کی
الاول[1]	تعلیم دیتے تھے،

اس بیان کو سامنے رکھ کر تاریخ الیہود کے مصنف نے لکھا ہے کہ

ان یہود یثرب کانوا اساتذۃ	یثرب کے یہود عربی تحریر میں عربوں
العرب فی تعلم الکتابۃ العربیۃ[2]	کے استاذ تھے۔

بلاذری کے بیان سے یہ تو نہیں معلوم ہوتا کہ پورے جزیرہ عرب میں یہود کے ذریعہ عربی تحریر کا رواج ہوا، مگر اتنی بات ضرور ثابت ہوتی ہے کہ شمالی حجاز میں یہود ہی کے ذریعہ اسے فروغ ہوا، یہ قرین قیاس بھی ہے اس لئے کہ تحریر کی ترویج و ترقی تمدن و حضارت کے سایہ میں ہوتی ہے اور وہ اہل عرب میں مفقود تھی، بخلاف یہود کے کہ وہ عربوں کے مقابلہ زیادہ متمدن تھے، پھر ان کو تجارتی کاروبار میں بھی اس کی ضرورت پڑتی رہی ہو گی، ظہور اسلام کے وقت مکہ اور مدینہ میں جو چند پڑھے لکھے لوگ ملتے ہیں، وہ خود اس بات کا ثبوت ہے کہ تمدنی ضروریات نے انہیں لکھنے پڑھنے پر مجبور کیا، ورنہ اس سے پہلے یہ چیز ان میں ناپید تھی۔[3]

شعر و شاعری | شعر و شاعری اہل عرب کے خمیر میں تھی، اس کا چرچا ہر محفل اور ہر گھر میں تھا، اس کے ذریعہ بڑے بڑے معرکے سر ہوتے تھے، اور اسی کے سہارے قبیلوں اور خاندانوں کی سیادت و قیادت ملتی تھی، جزیرہ میں جتنی قومیں آباد تھیں، یہودی، نصرانی یا مجوسی وہ سب عربوں کے شعر و شاعری سے متاثر ہوئیں اور انہوں نے خود بھی اس میں حصہ لیا، اور اس طرح سے عربوں

---

[1] فتوح البلدان ۴۷۹ [2] اس کی تفصیل کا موقع نہیں، ورنہ اس کے دلائل پیش کئے جاتے۔

کے بہت سے اخلاق و عادات اور تصورات غیر محسوس طور پر ان میں رواج پا گئے۔

جزیرہ عرب کے یہود میں متعدد خطباء و شعراء پیدا ہوئے، ابن سلام نے طبقات الشعراء میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ مگر ان میں کسی قدیم شاعر کا نام نہیں ہے ان میں بیشتر ظہور اسلام کے وقت موجود تھے، یا اس سے کچھ پہلے گزر چکے تھے، ان کے نام یہ ہیں،

(۱) سمئول بن عادیا، یہ یہود کے صاحب دیوان اور مخول شعراء میں تھا، اس کا دیوان الاب شیخو صاحب المنجد نے بڑے اہتمام سے چھپوایا ہے[۱]۔ اس کا زمانہ ظہور اسلام سے کچھ پہلے ہے، اسی کے لڑکے حضرت رفاعہؓ صحابی ہیں جن کا تذکرہ اس کتاب میں موجود ہے۔

(۲) رافع بن الحقیق، قبیلہ بنو نضیر سے اس کا تعلق تھا، اس نے اسلام کے خلاف اپنے اشعار میں بہت زہر افشانی کی ہے، سیرت اور طبقات کی کتابوں میں اس کے بہت سے اشعار موجود ہیں

(۳) کعب بن اشرف، یہود مدینہ کا سب سے مشہور شاعر اور ان کا سرگروہ تھا، اس کو شاعری پر پوری قدرت تھی، اسلام سے اس کو طبعی بغض تھا، اس لیئے وہ اپنے اشعار کے ذریعہ اسلام کے خلاف خوب زہر اگلتا تھا، مقتولین بدر کا مرثیہ لکھ کر اس نے قریش سے خراج تحسین وصول کیا، ادب و سیرت کی کتابوں میں اس کے مراثی اور دوسرے اشعار کثرت سے ملتے ہیں۔

ان کے علاوہ شریح بن عمران، شعبہ بن عریض، ابو قیس بن رفاعہ، ابو الذیال، درہم بن زید وغیرہ یہودی شعراء کا تذکرہ بھی ابن سلام نے کیا ہے[۲] بعض یہودی شعراء کا تذکرہ اس کتاب میں بھی موجود ہے اغانی میں ایک یہودی شاعر کا تذکرہ موجود ہے جس نے یہودی مقتولین کا مرثیہ کہا تھا[۳]۔ اسی طرح صاحب تاریخ الخمیس نے ایک خاتون شاعرہ صماء کا تذکرہ کیا تھا[۴]۔

---

[۱] اس کے یہودی یا نصرانی ہونے کی بحث کتاب میں موجود ہے اس لیئے ہم یہاں نظر انداز کرتے ہیں۔ [۲] طبقات الشعراء ص ۱۰۹، ۱۱۰

[۳] اغانی ج ۱۹ ص ۹۶ [۴] ج ۱ ص ۴۰۶

طوالت کے خیال سے ان شعرار کے اشعار نقل نہیں کیے گئے، لیکن ان کے اشعار کے مطالعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ عربی شاعری کی عام خصوصیات ان کی شاعری میں بھی بڑی حد تک پائی جاتی ہیں خصوصیت سے سموئل اور کعب اس حیثیت سے بہت زیادہ ممتاز ہیں۔

شعرائے یہود کی شاعری اس حیثیت سے عام عرب شعرا سے ممتاز ہے کہ ان کے اشعار میں مذہبی اصطلاحیں، مذہبی تصورات، انبیاء اور کتب مقدسہ کے نام، خدا و آخرت کے تذکرے کثرت سے ملتے ہیں جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان کے بہت سے تمدنی اور مذہبی تصورات شاعری کے ذریعہ بھی عربوں میں آگئے ہوں گے۔

اجتماعی ادارے | عربی تاریخوں سے پتہ چلتا ہے کہ بعض مقامات پر یہود کے اجتماعی ادارے بھی قائم تھے، خود مدینہ میں بیت المدارس کے نام سے ان کا ایک ادارہ تھا جس میں ان کے احبار اور صاحب امر یکجا ہو کر آپس میں صلاح و مشورہ کرتے تھے، ممکن ہے کہ مراسم عبادت بھی وہ یہیں ادا کرتے ہوں اور یہیں پر ان کی مذہبی کتابیں بھی محفوظ رہتی ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کئی بار بغرض تبلیغ یہاں تشریف لے گئے تھے[1] خصوصیت سے حضرت عمرؓ کے بارے میں مذکور ہے کہ وہ اکثر ان کے مدارس میں جاتے رہتے تھے جس کی بنا پر یہود ان سے کہتے تھے کہ ہم کو آپ سے بہت انس ہے[2]

اس کے علاوہ ان کے قلعے بھی اجتماعی کاموں میں استعمال کیے جاتے تھے، خیبر میں ان کے فوجی اور مالی دونوں الگ الگ ادارے تھے، اور ان کے علیحدہ علیحدہ ذمہ دار تھے۔

مذہبی اثرات | اوپر ذکر آچکا ہے کہ اہل عرب یہود کو علمی اور مذہبی حیثیت سے ممتاز سمجھتے تھے، اور بہت سے امور میں ان کی اقتدار بھی کرتے تھے، یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ ادب و شاعری کے ذریعہ ان کی بہت سی مذہبی اصطلاحیں، الفاظ اور تصورات عربی زبان میں داخل ہو گئے تھے،

---

[1] روض الانف ج ۲ ص ۳۸ [2] تفسیر طبری ج ۱ ص ۳۲۶

اس سلسلہ میں حضرت سلمہؓ نے ظہور اسلام سے قبل کا ایک واقعہ جو قابل ذکر ہے، بیان کیا ہے فرماتے ہیں،

"میرے پڑوس میں قبیلہ بنو اشہل کا ایک یہودی رہتا تھا، اس نے ایک دن تمام بنو اشہل کو جمع کیا۔ اور ان کے سامنے قیامت، بعث بعد الموت، حساب کتاب، میزان، جنت اور دوزخ وغیرہ کے متعلق ایک وعظ کیا، اور آخر میں کہا کہ یہ اہل شرک اور بت پرست لوگ موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کے قائل نہیں ہیں۔ اس پر حاضرین نے کہا کہ تم کیا بک رہے ہو، کیا مرنے کے بعد ہم لوگ پھر زندہ کئے جائیں گے اور ہمارے اعمال کا محاسبہ ہوگا؟ یہودی نے پھر مجمع کو اس کے بارے میں سمجھایا، مجمع نے اس سے دوبارہ مطالبہ کیا کہ وہ اس کی کوئی دلیل اور نشانی بتائے، اس نے کہا کہ اس سرزمین سے ایک نبی پیدا ہوں گے اور وہ اس کے بارے میں بتائیں گے[۱]،

قرآن سے پتہ چلتا ہے کہ اہل عرب عام طور پر آخرت اور بعث بعد الموت کے قائل نہیں تھے، اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے اگرچہ وہ اس کے قائل تو نہیں تھے، لیکن یہود کے ذریعہ ان سے آگاہ ضرور ہو گئے تھے،

سیر کی کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہود تین وقت کی نماز بھی پڑھتے تھے[۲] ابن الہیبان یہودی عالم جس کا تذکرہ اس کتاب میں آیا ہے، اس کے متعلق کتابوں میں ہے کہ وہ پانچ وقت کی نماز پڑھتا تھا[۳]

نماز کے اعلان کے لیے وہ بوق بجاتے تھے[۴]، وہ روزے بھی رکھتے تھے[۵]

ظاہر ہے کہ یہود کے ان مذہبی مراسم کو عرب اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے ہوں گے

---

[۱] ابن ہشام بحوالہ تاریخ الیہود [۲] ایضاً [۳] تاریخ الیہود ص ۸۷ [۴] بینگ کی طرح کی کوئی چیز ہوتی ہے [۵] عام کتب حدیث

ان میں اس کا چرچا رہتا ہوگا۔ اور اس کا اثر بھی ان پر پڑتا رہا ہوگا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جہاں جتنے زیادہ یہود آباد تھے، وہاں اسی قدر ان کے اثرات بھی عربوں پر نمایاں تھے، مثلاً مدینہ کے عرب یہود کے رسم و رواج اور مذہبی امور سے سب سے زیادہ واقف اور متاثر نظر آتے ہیں، اور غالباً اسی تاثر کا نتیجہ تھا، کہ انصار نے بہت آسانی سے اسلام قبول کر لیا، اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور اسلام کی بنیادی تعلیمات کی حقانیت سے وہ پہلے سے آگاہ ہو چکے تھے سوال یہ ہے کہ عقائد کے لحاظ سے اسلام سے دس درجہ قریب ہونے کے باوجود خود یہودیوں نے اسلام کے قبول کرنے میں کیوں تاخیر کی اور کیوں لیت و لعل سے کام لیا، واقعات سے پتہ چلتا ہے، کہ یہود کا صالح طبقہ آپ کی نبوت اور اسلام کی حقانیت کا قائل اور اس کی قبولیت کی طرف مائل ضرور تھا، لیکن ان کے لیے کچھ موانع تھے، جن کی وجہ سے وہ اس سعادت ابدی سے محروم رہے، پھر بھی ان میں جو صاحب عزم اور صاحب ہمت تھے، اور ان موانع کا مقابلہ ڈٹ کر کر سکتے تھے، وہ قبول حق سے باز بھی نہیں رہے تفصیل آگے آئے گی۔

قبائلی نظام اوپر یہودیوں کے علمی و تمدنی اثرات کی جو تفصیل پیش کی گئی ہے، اس سے یہ اندازہ ہو گیا ہوگا کہ یہود عربوں کے مقابلہ میں زیادہ متمدن اور صاحب علم تھے، مگر اس کے ساتھ جب ہم ان کی معاشرتی زندگی پر غور کرتے ہیں، تو وہ عربوں سے کچھ مختلف نظر نہیں آتے، عربوں کی طرح وہ بھی مختلف قبائل میں بٹے ہوئے تھے، ہر قبیلہ کا ایک جدا سردار اور علیحدہ نظام تھا، اور صلح و جنگ کے مواقع پر وہ اپنی قبائلی مصلحتوں کے تحت ایک دوسرے سے معاملہ کرتے تھے، اسی کا اثر تھا کہ متعدد جاہلی اور اسلامی لڑائیوں میں وہ ایک دوسرے کے مقابلہ میں یا ایک دوسرے کے خلاف مدد کرتے نظر آتے ہیں تفصیل آگے آئے گی۔ اسی طرح یہود کا رہن سہن، معاشرت اور وضع و لباس وغیرہ بھی تقریباً وہی تھا جو عربوں کا تھا، ان باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ عربوں کی قبائلی زندگی کا ان پر اچھا خاصا اثر پڑا تھا،

یہود کی دینی اور اخلاقی حالت قرآن نے یہود کی دینی حالت اور اخلاقی معائب کا جو نقشہ کھینچا

ہے اس میں دنیا کے تقریباً تمام یہود مبتلا تھے، مگر ہمارا موضوع بحث صرف جزیرہ عرب کے یہود ہیں، اس لئے قرآن نے ان کے جن معائب کی نشاندہی کی ہے ہم اس کی تفصیل پیش کرتے ہیں

دینی گمراہیاں | تمام انبیائے کرام کی تعلیم میں یہ بات مشترک رہی ہے کہ عزت و شرافت اور آخرت کی فلاح وسعادت کا مدار اور خدا کے نزدیک محبوبیت اور مقبولیت کا معیار ایمان و عمل ہے نہ کہ نسل وذات، مگر یہودیوں کی ایک بنیادی غلطی اور گمراہی یہ تھی کہ انہوں کی شرافت و نجات کا معیار ہی سرے سے بدل دیا، اس کا مدار ایمان وعمل کے بجائے نسل وذات پر رکھا، ان کے نزدیک یہودی گھرانے میں پیدا ہونا ہی دنیا کا سب سے بڑا اشرف اور نجات آخرت کے لیے کافی تھا، کہتے تھے کہ

نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ[1] (مائدہ) — ہم اللہ کے لڑکے اور اس کے محبوب ہیں

اور سمجھتے تھے کہ

لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً (بقرہ) — ہم دوزخ میں چند دن کے لیے ڈالے جائیں گے۔

ان کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا گیا۔

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (بقرہ) — آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے لیے (اے یہود) آخرت کی فلاح مخصوص ہے تو پھر موت کی تمنا کر کے دکھلاؤ اگر تم سچے ہو۔

دوسری جگہ قرآن نے ان کو خطاب کر کے فرمایا ہے،

---

[1] حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس سلسلے میں متعدد یہود مدینہ کا نام بھی لیا ہے، طبری میں ان کا قول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو یہود میں عام طور پر یہ خیال تھا۔

قُلْ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ	آپ فرما دیجئے کہ اے یہود اگر
اَنَّکُمْ اَوْلِیَآءُ لِلّٰهِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ	تم کو زعم ہے کہ تم اللہ کے محبوب
اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (جمعه)	ہو، تو موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو۔

اسی غلط تصور کا نتیجہ تھا کہ ان کے نزدیک کسی بدعقیدگی، بدمعاملگی اور بداخلاقی کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہ گئی تھی۔ یہودیت کی سند مل جانے کے بعد وہ سمجھتے تھے کہ ان کی کوئی برائی برائی نہیں رہ جاتی، یہی وجہ تھی کہ ان میں وہ تمام برائیاں گھس آئیں جن کا کم از کم ایک صاحب شریعت قوم میں تصور تک نہیں کیا جا سکتا۔ عقائد میں سب سے اہم اور اساسی چیز عقیدۂ توحید ہے۔ اسی کی صحت اور اسی میں اخلاص کی بنیاد پر سارے دین کی عمارت ہوتی ہے، اگر اس میں کہیں سے کوئی نقص اور کمی آجاتی ہے تو پھر دین کمزور اور اس کی دوسری اقدار بالکل بے روح ہو کر رہ جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ تمام انبیاء کی بنیادی تعلیم یہی رہی کہ

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ	میرے سوا کوئی معبود نہیں، تو تم میری ہی عبادت کرو۔

یہود ایک صاحب شریعت قوم تھی جس کو حضرت موسیٰؑ کے ذریعہ پہلے ہی دن یہ سبق دیا گیا تھا کہ

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ	میرے سوا کوئی معبود نہیں تو تم میری ہی عبادت کرو اور میری ہی یاد کے
وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِکْرِیْ (طٰہٰ)	لیے نماز پڑھا کرو!

مگر یہود کی تاریخ بتاتی ہے کہ انہوں نے ہمیشہ عقیدہ توحید میں رخنہ اندازی کی اور اس چشمہ صافی کو کفر و شرک اور فسق و فجور سے گدلا کرنے کی برابر کوشش کی، جزیرہ عرب کے یہود بھی اس جرم میں دنیا کے دوسرے یہود سے پیچھے نہیں تھے، قرآن کو واضح طور پر ان پر کفر و شرک کے ارتکاب کا الزام عائد کیا ہے۔

لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِکُفْرِهِمْ (نساء)	ان کے کفر کی وجہ سے اللہ نے ان پر لعنت کی ہے

لَعَنَهُمُ اللّٰهُ بِکُفْرِهِمْ [1] (نساء) — ان کے کفر کی وجہ سے اللہ نے ان پر لعنت کی۔

سورۂ نساء کے آخر میں ان کے بارے میں وبکفرہم نعبد الا اللہ کے الفاظ بار بار دہرائے گئے ہیں۔ گو یہ سفر، کفر باللہ نہ ہو، مگر کفر باحکام اللہ تو ضرور تھا۔ جیسا کہ ایک جگہ قرآن نے ان کے بارے میں وَاَکْثَرُهُمُ الْفَاسِقُوْنَ [2] اور ان میں سے اکثر فاسق تھے۔ اسی بناء پر قرآن ان سے کہتا ہے کہ

تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَنْ لَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ (آل عمران) — (اے اہل کتاب) آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے یہ کہ بجز اللہ کے کسی اور کی عبادت نہ کریں۔

وہ شرک میں بھی مبتلا تھے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ وہ عزیز کو خدا کا بیٹا کہتے تھے [3]

وَقَالَتِ الْیَهُوْدُ عُزَیْرُ ابْنُ اللّٰهِ — اور یہود نے کہا کہ عزیز خدا کے بیٹے ہیں۔

انہوں نے اپنے علماء احبار کو وہ مرتبہ اور درجہ دے دیا تھا جو صرف اللہ ہی کے لیے مخصوص ہے۔

---

[1] اس سلسلہ میں بعض یہودیوں مثلاً رفاعہ بن زید وغیرہ کا واقعہ تفسیروں میں درج ہے۔ [2] آلِ عمران

[3] بعض مستشرقین نے لکھا ہے کہ صحف قدیم میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں ہے ورنہ اس وقت یہود کا عقیدہ ہے یہ بحث طویل ہے اس لیے ہم نظر انداز کر دیتے ہیں مختصراً یہ لکھ دینا کافی ہے کہ یہودیوں میں یہ خیال عیسائیوں کے اثر اور ان کی ضد سے پیدا ہوا۔ اور عرب کے یہودیوں میں ظہور اسلام کے وقت یہ عقیدہ تھا۔ چنانچہ طبری وغیرہ نے متعدد یہود کا نام بھی لیا ہے مثلاً فنحاص، سلام بن مشکم وغیرہ پھر ان کے اس قول نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ اور اتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وغیرہ کو سامنے رکھا جائے اس میں کوئی تعجب باقی نہیں رہ جاتا۔

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَھُمْ وَرُھْبَانَھُمْ	انہوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے علماء و
اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ (توبہ)	مشائخ کو اپنا رب بنا رکھا ہے۔

یہ آیت یہود اور نصاریٰ دونوں کے بارے میں ہے۔ نصاریٰ کے سوار اعتقاد کے بارے میں حضرت عدیؓ بن حاتم کی روایت حدیث کی تمام کتابوں میں مذکور ہے۔ یہود سے متعلق اس آیت کی تفسیر میں طبری میں یہ روایت ہے کہ

قَالَ الربیع قلت لابی العالیہ.	ربیع نے ابوالعالیہ سے پوچھا کہ
کیف کانت الربوبیۃ فی بنی اسرائیل	بنواسرائیل نے کس طرح سے اپنے
قال ما امرونا ائتمرنا وما نھونا عنہ	احبار کو ارباب بنالیا تھا انہوں نے
انتھینا لقولھم وھم یجدون	فرمایا کہ جس چیز کا وہ احبار حکم دیتے
فی کتاب اللّٰہ ما امروا بہ وما نھو	تھے کہ اس کو ہم کرتے تھے اور جس
اعنہ فاستنصحوا الرجال [۲]	بات سے وہ روکتے تھے ہم رک
	جاتے تھے یہ سب ان کے کہنے کی
	وجہ سے کرتے تھے حالانکہ وہ باتیں
	کتاب میں موجود ہوتی تھیں، چنانچہ اس
	طرح انہوں نے احبار و علماء کے اقوال و
	افعال کو اختیار کرلیا، اور کتاب اللہ کو
(طبری ج - ص ۷۰)	پس پشت ڈال دیا۔

اس کفر و طغیان نے ان کے قلوب کو اتنا سخت اور ان کے ذہن و دماغ کو اس قدر ماؤف

---

[۱] اس انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوالعالیہ بھی اہل کتاب میں تھے، یہ غلام تھے، اس لیے ان کے اہل کتاب ہونے کا اور بھی قوی امکان ہے۔ [۲] طبری ج ۱۰ ص ۷

کر دیا تھا کہ وہ خدائے قدوس کے بارے میں گستاخانہ اور طنز آمیز الفاظ استعمال کرنے لگے تھے

وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُولَةٌ — یہود کہتے تھے کہ اللہ کا ہاتھ تنگ ہو گیا ہے۔

یہی نہیں بلکہ وہ کہتے تھے

إِنَّ اللّٰهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ — اللہ فقیر اور ہم غنی ہیں

کتاب الٰہی (توراۃ) کے بارے میں بھی ان کا عقیدہ کچھ اچھا نہیں تھا۔ وہ کتاب کی تاویل و تفسیر اپنی خواہشات اور دنیاوی اغراض کے تحت کرتے تھے۔ قرآن میں ہے۔

يُحَرِّفُونَهُ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ — پھر اس کو بدل ڈالتے تھے، اس
يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ — کے سمجھنے کے بعد، اپنے ہاتھوں سے
يَقُولُونَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوا — لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ کی طرف
بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا (بقرہ) — سے ہے، اس سے غرض یہ ہوتی ہے کہ کچھ روپے پیسے حاصل کریں۔

جب اس معنوی تحریف سے کام نہ چلتا تو کلام الٰہی کو چھپا دیتے (مائدہ) اگر ضرورت پڑتی تو لفظی تحریف کر ڈالتے ہے

يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهِ (مائدہ) — کلام الٰہی کو اس کے موقع و محل سے
يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ (مائدہ) — بدل دیتے ہیں وہ کلام الٰہی کو اس کے موقع سے بدلتے رہتے ہیں۔

یہ تو پڑھے لکھے یہودیوں کا حال تھا، جو اپنی ہر خواہش اور غرض کی تکمیل کے لیے کتاب اللہ کو آلہ کار بناتے تھے، اور اس کی من مانی تفسیریں کرتے تھے لیکن ان کے عوام جو آتش اسلحہ کا

لے اس سلسلہ میں متعدد واقعات عہد نبوی میں پیش آئے، جن میں سے بعض کا تذکرہ اوپر آچکا ہے۔

استعمال نہیں جانتے تھے، وہ صرف اپنی خواہشوں اور تمناؤں ہی کو آخری سند سمجھتے تھے

وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتٰبَ	اور ان میں بہت سے ناخواندہ ہیں
إِلَّا أَمَانِيَّ (بقرہ - ۱۰)	جو کتابی علم نہیں رکھتے لیکن دل خوش کن باتیں،

حضرت زید بن سعنہ کے حالات میں تحریف کی ایک مثال آئے گی جس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ وہ اس میں کس درجہ بے باک تھے۔

ختم رسل صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بارے میں تورات میں جو پیشین گوئیاں اور بشارتیں تھیں، اور جن کو پڑھ کر متعدد صالح الفطرت یہود حلقہ بگوش اسلام ہوئے ان کو انہوں نے چھپانے کی کوشش کی، اسی طرح احادیث میں آتا ہے کہ رجم سے متعلق، تورات کے حکم کو بھی انہوں نے پوشیدہ رکھنا چاہا، مگر بعض حق پرست علمائے یہود نے اسے آپ پر ظاہر کر دیا، اور آپ نے اس کے مطابق عمل کیا۔ (بخاری و مسلم)

انبیاء و رسل کے ساتھ بھی انہوں نے ہمیشہ طغیان و سرکشی ہی کی روش اختیار کی یہاں تک کہ ان نفوس قدسیہ میں سے بعض کو انہوں نے قتل تک کر ڈالا، اسی وجہ سے حضرت داؤدؑ اور حضرت عیسیٰؑ نے ان پر لعنت کی (مائدہ)

جزیرہ عرب کے یہود بھی اس بارے میں اپنے پیشروؤں سے کچھ مختلف نہیں تھے، وہ حضرت ابراہیم کے بارے میں کہتے تھے کہ وہ یہودی تھے، (آل عمران) قرآن نے ان کے اس خیال کی تردید کی (آل عمران) نبوت و رسالت صرف یہود کے لیے مخصوص سمجھتے تھے (جمعہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی انہوں نے وہ سب کچھ کیا جو ان کے پیشروؤں نے اپنے وقت کے انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ کیا تفصیل آگے آتی ہے۔

فرشتوں کے متعلق ان کے خیالات عربوں سے بالکل مختلف تھے، عرب ان کو خدا کا شریک ٹھہراتے تھے، اور یہ ان سے دشمنی و عداوت رکھتے تھے، خصوصیت سے حضرت جبریلؑ

کے بارے میں کہتے تھے کہ یہ ان کا قدیم دشمن ہے، قرآن نے ان کے اس خیال کی شدت سے تردید کی[1]

مشرکانہ اوہام وخرافات، جادو، گنڈا، اور عملیات وغیرہ پر ان کا اعتقاد تھا، لبید، عاصم وغیرہ بہت سے یہودی عامل تھے، جو کنگھیوں اور بالوں میں منتر پڑھ کر پھونکتے تھے[2]، یہ ان کے دینی معائب کا ایک مختصر خاکہ ہے، جن میں وہ دورِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم تک مبتلا تھے، اب ان کے اخلاق ومعاملات پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

اخلاق ومعاملات اخلاق ومعاملات کے اعتبار سے جزیرہ عرب کے یہود نہایت ہی گرے ہوئے تھے، یہ اخلاقی گراوٹ ان ہی تک محدود نہیں تھی، بلکہ اس میں ہر جگہ کے یہود برابر کے شریک تھے، ان کے اخلاق واعمال حد درجہ مبتذل، رکیک اور قابل نفریں تھے، جن کا انسانیت، شرافت اور فضائلِ اخلاق سے کوئی دور کا بھی تعلق باقی نہیں رہ گیا تھا، سورہ بقرہ اور آل عمران میں خاص طور سے ان کے ایک ایک عیب کی نشاندہی کی گئی ہے ذیل کی سطروں میں ان کے چند بنیادی عیوب کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

نفاق یہود حجاز جن اخلاقی کمزوریوں کا شکار تھے، ان میں سب سے اہم منافقت ہے یہ روحِ انسانی کے لئے ایسا روگ ہے، جو انسان کی تمام اخلاقی خوبیوں اور فطری صلاحیتوں کو ختم کر دیتا ہے جس فرد یا جماعت میں یہ مرض پیدا ہو جائے اس سے کسی خیر کی امید نہیں کی جا سکتی، چنانچہ یہود حجاز کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ ان میں بھی نفاق نے اچھی طرح گھر کر لیا تھا۔ انہوں نے اسلام کے بارے میں مسلسل نفاق کا ثبوت دیا، اور ان کی وجہ سے مدینہ منورہ میں ایک ایسا گروہ تیار ہو گیا تھا جو مرتے دم تک اس روگ میں مبتلا رہا، اور اسلام اور مسلمانوں کو نقصان اور اذیت پہنچاتا رہا، قرآن کہتا ہے،

---

[1] اس سلسلہ میں طبری نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمرؓ سے یہود کی گفتگو کو نقل کیا ہے ، ص ۲۷ ، ۳۰ ج ۱

[2] صحیح بخاری ج ۲ کتاب الطب

وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا	وہ لوگ جب تم سے ملتے ہیں تو
عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ	کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے، اور جب
قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ	تم سے جدا ہوتے ہیں تو اپنی انگلیاں کاٹ کاٹ کھاتے ہیں مارے غصہ کے
(آلِ عمران)	آپ کہہ دیجئے کہ مرر ہو اپنے غصہ میں۔

سورہ بقرہ (ع ۔ ۸) میں اسی طرح کی ایک آیت موجود ہے۔

دوسروں کو بھی اس نفاق پر ابھارتے تھے۔

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ	بعض اہل کتاب نے کہا کہ ایمان لے
اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	آؤ اس پر جو مسلمانوں پر نازل ہوا (یعنی
وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ	قرآن) اور صبح کے وقت اور شام تک
يَرْجِعُوْنَ (آلِ عمران)	اس سے انکار کر دو، شاید کہ وہ پھر جائیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے ساتھ انہوں نے مستقلاً جو منافقانہ طرز عمل اختیار کر رکھا تھا، اس کی پوری تصویر ان آیتوں میں آگئی ہے، وہ مسلمانوں ہی کے ساتھ نفاق نہیں برتتے تھے۔ بلکہ اس عادت بد کی وجہ سے اپنوں تک سے منافقانہ پیش آتے تھے، اور ایک دوسرے کو دھوکہ اور فریب دیتے تھے، غزوات کے سلسلہ میں متعدد مواقع پر انہوں نے خود ایک دوسرے کو دھوکا دیا ہے[1]

حرام خوری حرام خوری بھی ان کا شائد قومی خاصہ ہو گیا ہے، قرآن میں ہے۔

اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ (مائدہ) یہ بڑے حرام کھانے والے ہیں۔

سورہ مائدہ میں ان کی حرام خوری کو متعدد بار دہرایا گیا ہے۔

ان کے سودی کاروبار کا ذکر آچکا ہے رشوت ستانی اور ناجائز طریقہ پر شکم پری کے بھی

---

[1] مثلاً غزوۂ خیبر اور غزوۂ خندق وغیرہ کے مواقع پر۔

یہ عادی ہو گئے تھے،

وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ (نساء)
اور ان کے ناحق طریقہ سے مال کھانے کی وجہ سے،

دوسروں کا حق مارنے کے لیے جھوٹی قسمیں کھاجاتے تھے،

اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا
یقیناً جو لوگ حقیر رقم لے لیتے ہیں بمقابلہ اس عہد کے جوانہوں نے اللہ سے کیا ہے اور بمقابلہ اپنی قسموں کے

اس سلسلہ میں حضرت اشعثؓ اور ایک یہودی کا واقعہ تفسیروں میں ملتا ہے،

ان کے علماء و احبار بھی دوسروں کا مال ہڑپ کر لیتے تھے، (توبہ)

حرص و طمع یہ مالدار اور خوش حال تھے، مگر ان کی حرص و طمع کا یہ حال تھا کہ دو دو چار چار روپے کے لیے معصوم بچوں کو ہلاک کر ڈالتے تھے[1] سودی قرضوں میں بچوں اور عورتوں کو رہن رکھ لیتے تھے[2] ان کے پاس سونے چاندی کا ڈھیر تھا، مگر راہ حق میں ایک پیسہ بھی نہیں خرچ کر سکتے تھے،

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (توبہ)
(حرص کی وجہ سے) جو لوگ سونا چاندی جمع کر رکھتے ہیں، اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔

اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا (نساء)
کیا ان کے پاس سلطنت کا کوئی حصہ ہے اگر ہوتا تو وہ ایک ذرہ برابر اس میں سے دوسروں کو نہ دیتے،

خیانت خیانت حرص و طمع ہی کا نتیجہ ہے، چنانچہ ان میں یہ عیب بھی موجود تھا،

---

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۱۶ کتاب الدیات [2] ایضاً قتل کعب بن اشرف

وَمِنْهُمْ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا (آل عمران)

ان میں بعض ہیں کہ اگر تم ان کے پاس ایک دینار بھی امانت رکھو تو تم کو وہ ادا نہ کریں گے، جب تک کہ تم ان کے سر پر سوار نہ ہو جاؤ،

پھر اس خیانت کو اپنے لیے جائز اور اپنا پیدائشی حق سمجھتے تھے۔

قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِى الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ (آل عمران)

ان کی خیانت اس لیے ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ غیر اہل کتاب (کے مال) کے بارے میں ہم پر کوئی جرم نہیں۔

بغض وحسد | بغض وحسد کا جذبہ ایک بدترین جذبہ ہے، اس کی موجودگی میں کبھی حق وانصاف کا جذبہ آدمی کے دل میں پرورش نہیں پاتا، جس کے اندر یہ جذبہ موجود ہوتا ہے، اس کو دوسروں کی خوبیاں اور بھلائیاں نظر ہی نہیں آتیں یا اگر نظر آتی ہیں، تو وہ ان کی طرف سے صرفِ نظر کر لیتا ہے، اگر کسی کو کوئی شرف اور فضل حاصل ہو جاتا ہے تو ایسے شخص کو انتہائی تکلیف ہوتی ہے یہود کی زندگی اس بُرے جذبہ کا مکمل نمونہ تھی۔

اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (نساء)

کیا دوسرے آدمیوں سے ان چیزوں پر جلتے ہیں، جنہیں اللہ نے ان کو اپنے فضل سے عطا کی ہیں۔

هٰۤاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ (آل عمران)

ہاں تم ایسے ہو کہ ان لوگوں سے محبت رکھتے ہو اور یہ لوگ تم سے قطعاً محبت نہیں رکھتے۔

قرآن نے ان کے اسی بغض وحسد کی بنا پر فرمایا کہ

مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ

اپنے غصہ سے مرو۔

دروغ گوئی اور بدعہدی | دروغ گوئی، بدعہدی اور جھوٹی قسمیں کھانا ان کا شیوہ تھا۔

سَمّٰعُوْنَ لِلْکَذِبِ (مائدہ)	یہ لوگ غلط باتوں کے سننے کے
اِتَّخَذُوْا اَیْمَانَهُمْ جُنَّةً (مجادلہ)	عادی ہیں، انہوں نے اپنی قسموں
	کو ڈھال بنا لیا ہے،

عہد نبوی میں ان کی دروغ گوئی اور بدعہدی کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں، معاہدہ کے ذکر میں، اس کی تفصیل آئے گی۔

اسی طرح وہ فواحش اور بے حیائیوں سے بھی باز نہیں رہتے تھے، عرب عورتوں کو چھیڑا کرتے تھے، اور ان سے کھلا ہوا مذاق کرتے تھے، کعب بن اشرف اُن کا مشہور شاعر اس میں بیحد بدنام تھا، ایک مرتبہ ایک انصاری بزرگ نے اس سے قرض مانگا تو اس نے ان سے برجستہ کہا کہ اس کے بدلے اپنی بیوی کو میرے یہاں گرو رکھ دو، اس کی دناءت اور اس کا سفلہ پن اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ ازواج مطہرات اور صحابیات کا نام لیکر تشبیب[1] کرتا تھا[2]۔

ایک برائی ان میں یہ بھی تھی کہ اگر کوئی شریف و معزز آدمی زنا کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور اگر کوئی معمولی اور رتبہ آدمی اس کا ارتکاب کرتا تو اس کو سزا دیتے[3]۔

ان میں خود غرضی اور قساوت قلبی بھی حد درجہ تھی، جس کا مظاہرہ دن رات ہوتا رہتا تھا۔ حتیٰ کہ وہ اپنے یہودی بھائیوں کو گھر سے نکال دیتے، اسی خود غرضی کی وجہ سے وہ آپس میں برابر لڑتے بھڑتے رہتے تھے، یہی نہیں بلکہ ایک دوسرے کے خلاف اپنے دشمنوں تک کو مدد دیتے تھے[4]۔

قرآن نے ان کے معائب کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی ہے،

تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَکُمْ وَتُخْرِجُوْنَ	تم ایک دوسرے سے قتل و قتال
فَرِیْقًا مِّنْکُمْ مِّنْ دِیَارِهِمْ (بقرہ)	بھی کرتے ہو اور ایک دوسرے کو

---

[1] وہ اشعار جن میں حسن و عشق کے جذبات ظاہر کئے جائیں [2] طبقات الشعراء ص ۱۱۰، [3] صحیح مسلم باب رجم یہود [4] اوپر ذکر آچکا ہے،

تَحۡسَبُهُمۡ جَمِيۡعًا وَّقُلُوۡبُهُمۡ شَتّٰى (حشر)

گھروں سے نکالا ہے تم ان کو متفق خیال کرتے ہو، حالانکہ ان کے دل آپس میں متفق نہیں ہیں،

اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی یہ روایت مسند احمد میں ہے، آپ نے فرمایا کہ جاہلیت میں یہود دو گروہ میں بٹ گئے تھے، ان میں ایک غالب تھا اور دوسرا مغلوب، جب غالب گروہ کا کوئی آدمی قتل کیا جاتا تو اس کی دیت مغلوب کو زیادہ دینی پڑتی اور اگر مغلوب کا کوئی آدمی قتل ہو جاتا، تو اس کی دیت کم ملتی، جاہلیت میں تو مغلوب گروہ اس ظلم کو برداشت کرتا رہا، مگر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد، ایک بار جب ایسا واقعہ پیش آیا، تو اس نے زیادہ دیت دینے سے انکار کر دیا۔ اور غالب گروہ کے پاس کہلا بھیجا کہ اب نبی موعود صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے بعد ہم یہ ظلم و ستم سہنے کے لیے تیار نہیں[1]

پھر ان تمام اخلاقی جرائم پر وہ خوش ہوتے اور چاہتے تھے کہ جو خوبیاں ان میں نہیں ہیں، ان پر بھی ان کی تعریف و تحسین کی جائے،

اَلَّذِيۡنَ يَفۡرَحُوۡنَ بِمَاۤ اَتَوْا وَّيُحِبُّوۡنَ اَنۡ يُّحۡمَدُوۡا بِمَا لَمۡ يَفۡعَلُوۡا (آل عمران)

یہ لوگ اپنے اخلاق و کردار پر خوش ہیں اور جو کام انہوں نے نہیں کیا اس پر چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف ہو،

ان کے دینی اور اخلاقی انحطاط کا یہ بہت مجمل خاکہ ہے، اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جس قوم میں اتنا زیادہ دینی انحطاط، اور اتنے زیادہ ذمائم اخلاق ہوں اس کی موجودگی میں کوئی صالح معاشرہ اور پرسکون ماحول کیسے پیدا ہو سکتا ہے، چنانچہ جب تک یہودیوں کا معاشی، اقتصادی، سیاسی تغلب اور ان کا زور باقی رہا، پورے حجاز اور خصوصیت سے مدینہ میں سکون و اطمینان کی فضا پیدا

---

[1] مسند ج ۱ ص ۲۴۶

نہ ہو سکی، مگر جوں جوں ان کا زور ختم ہوتا گیا، امن و سلامتی کی فضا پیدا ہو گئی تا آنکہ پورا حجاز ان کی ریشہ دوانیوں اور فتنہ انگیزیوں سے پاک وصاف ہو گیا۔

ایسے معائب، مثالب اور ذمائم اخلاق میں گھرے ہونے پر بھی اس بد باطن اور کج فطرت قوم کے جتنے افراد بھی حلقہ بگوش اسلام ہو گئے، وہ اسلام کی بڑی کامیابی ہے، ورنہ ایسا دین جس کے قبول کرنے میں کوئی جبر و سختی نہ ہو[1] اس میں ایسی تیرہ بخت اور دون فطرت قوم کے ایک ایک فرد کا داخل ہونا بھی درحقیقت اسلام کا ایک معجزہ ہے۔

بعثت نبوی کے بعد یہود اور مسلمانوں کے اجتماعی اور سیاسی تعلقات کی نوعیت

بعثت نبوی سے قبل یہودیوں کے سیاسی، تمدنی اثرات کا جائزہ لینے اور ان کی اخلاقی اور دینی حالت کا تذکرہ کرنے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے، ظہور اسلام کے بعد، ان میں اور مسلمانوں میں باہم جو سیاسی و اجتماعی تعلقات پیدا ہوئے، اور اس سے جو فوائد اور معتاز منتج ہوتے، اس پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مکہ میں ہوئی، اور ذکر آچکا ہے کہ مکہ میں یہود نہیں تھے، اس لیے مکی زندگی میں براہ راست ان سے کوئی سیاسی و اجتماعی تعلق نہیں پیدا ہوا، لیکن دعوت و تبلیغ کے سلسلہ میں جو ابتدائی سورتیں نازل ہوئیں ان میں حسب ضرورت اگلے انبیا خصوصاً حضرت موسیٰ کا ذکر ملتا ہے مثلاً سورہ مزمل میں، جو بالکل ابتدائی سورتوں میں ہے۔ حضرت موسیٰ فرعون کا ذکر ملتا ہے، پھر سورہ اعلیٰ میں صحف موسیٰ کا تذکرہ بھی آتا ہے، اسی طرح اس کے بعد نازل ہونے والی سورتوں مثلاً سورۂ قمر، سورۂ ق اور سورہ بروج وغیرہ میں بھی حضرت موسیٰ کی کامیابی اور فرعون

---

[1] لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ دین میں کوئی جبر نہیں ہے چنانچہ مدینہ سے یہودی قبائل کے اخراج کے بعد متعدد یہودی موجود تھے، جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا، لیکن ان سے کوئی تعارض نہیں کیا گیا۔ بعض کا تذکرہ اس کتاب میں آیا ہے کہ حضرت صفیہؓ نے اپنی ایک جائیداد کے متعلق اپنے یہودی رشتہ داروں کو وصیت کی تھی۔

کے بڑے انجام کی طرف اشارہ کیا گیا ہے،

غرض مکہ کے ابتدائی سالوں میں براہ راست یہود سے قرآن نے خطاب نہیں کیا محض دعوتؒ تبلیغ کے نقطۂ نظر سے اس نے ان مشہور واقعات کی طرف اشارہ کر دیا جس سے اہل مکہ واقف تھے، تاکہ وہ عبرت حاصل کریں۔

مکی سورتوں میں سب سے پہلے سورہ اعراف میں ذرا تفصیل سے "بنی اسرائیل" کے نام سے ان کا تذکرہ ملتا ہے، جس میں متعدد انعامات الٰہی کو گنایا گیا ہے، اور ان کی بار بار کی ناشکری و احسان ناشناسی کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس سورہ میں یہ بھی ذکر کیا ہے کہ تورات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی موجود ہے۔ ان واقعات کی تفصیل اس سورہ کے رکوع ۱۲ سے ۱۸ تک میں موجود ہے اگر ان میں سے ان آیتوں کو نکال دیا جائے جن کو مفسرین مدنی بتاتے ہیں، تب بھی یہود کی ابتدائی تاریخ کا خلاصہ مکہ میں نازل ہو چکا تھا[1] اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ رفتہ رفتہ قرآن میں بنی اسرائیل کا تذکرہ وسیع ہوتا جارہا تھا۔

اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور دعوت کو کئی برس گزر چکے تھے، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ابتداً اہل مکہ نے قرآن کے بیان کردہ واقعات خصوصاً وہ جو یہود سے متعلق تھے ان کی طرف کچھ زیادہ دھیان نہیں دیا۔ لیکن جب قرآن نے بار بار ان کا اعادہ کیا تو ان کو

---

[1] ابن جریح قتادہ وغیرہ سے مروی ہے کہ اس سورہ میں یہ آیت الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونہ مکتوبا الآیتان یہود کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے اسے پہلی والی آیت کے بارے میں جس میں تقویٰ اور زکوٰۃ کا ذکر ہے کہا تھا کہ ہم بھی تو تقویٰ کے حامل ہیں، اور زکوٰۃ نکالتے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اب براہ راست بھی یہود بحث و مباحثہ کرنے لگے تھے، مگر اس کے علاوہ دوسری کوئی شہادت ہم کو نہیں ملی جس سے کہ ہیں براہ راست ان سے سوال و جواب کی تائید ہوتی ہو، اس لئے حاشیہ میں اس کا ذکر کیا گیا۔

ان کی تردید کا خیال پیدا ہوا ہوگا، مدینہ اور خیبر کے یہودیوں سے ان کے قدیم تعلقات تھے، اس لیے انہوں نے ان سے یا طائف اور بنو کنانہ کے یہود سے جو ان کے قریب ہی رہتے تھے، ان واقعات کی صداقت اور عدم صداقت اور آپ کی نبوت کے بارے میں سوالات کرتے رہے ہوں گے،

جیسا کہ مفسرین اور بعض محدثین نے لکھا ہے کہ روح[1]، اصحاب کہف اور ذوالقرنین وغیرہ کے بارے میں جو آیات نازل ہوئیں، وہ درحقیقت کفار عرب کے ان سوالات کے جوابات ہیں، جو انہوں نے یہود سے پوچھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے متعلق کئے تھے، اصحاب کہف کے متعلق تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ خود یہود مدینہ نے اہل مکہ سے کہا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ان کے بارے میں سوال کرو، اگر وہ نبی ہوں گے، تو جواب دیں گے[2]

لیکن اب تک یعنی سورۂ اسرائیل کے نزول تک جو کچھ ان کے بارے میں کہا گیا، یا تو اہل عرب کو براہ راست خطاب کر کے کہا گیا، یا پھر غائب کے صیغہ سے کہا گیا، خود یہودیوں کو براہ راست خطاب نہیں کیا گیا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ معراج سے پہلے تک یہود سے براہ راست

---

[1] روح کے سلسلہ میں عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سوال مدینہ میں کیا گیا تھا، مگر ترمذی میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اہل مکہ نے یہود سے کہا تھا کہ ہم کو کچھ ایسی باتیں بتاؤ جن کے متعلق ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سوال کریں۔ اس کے جواب میں یہود نے اُن سے کہا کہ روح کے بارے میں ان سے سوال کرو، فتح الباری ج ۸ ص ۳۰۳ - اصحاب کہف کے سلسلہ میں طبری میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ خود یہود نے اہل مکہ سے ان چیزوں کے بارے میں سوالات کرنے کے لیے کہا تھا، بہر نوع دونوں باتیں بیک وقت ممکن ہیں، اس میں کوئی تضاد نہیں، سیر کی کتابوں میں تذکرہ آتا ہے کہ قریش نے ایک وفد بھی یہود مدینہ کے پاس آپ کی نبوت کے بارے میں دریافت کرنے کے لئے بھیجا تھا، ممکن ہے کہ یہ اسی وقت کا واقعہ ہو،

[2] طبری ج ۱۵ ص ۱۸،

پیدا ہوا تھا، سورہ اسراء کے بعد سورہ یونس کا نزول ہوتا ہے۔ اس میں بھی یہود کی پچھلی تاریخ کو دہرایا گیا اور مزید یہ بتایا گیا کہ انہوں نے دین کے بارے میں علم الٰہی آجانے کے بعد بھی اختلاف کیا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے ان قرآنی قصوں میں شک کرنے والوں کو خطاب کر کے ارشاد ہوا۔

فَسْئَلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ	تو آپ ان لوگوں سے دریافت کیجئے
مِنْ قَبْلِكَ (یونس)	جو آپ سے پہلے نازل ہونے والی
	کتابوں کو پڑھتے ہیں (یعنی توراۃ وانجیل)

اس آیت سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ یہود میں اس وقت ایسے صالح الفطرت لوگ موجود تھے، جو اظہار حق کر سکتے تھے، اور دوسری یہ کہ اب ان میں اور مسلمانوں میں براہ راست سوال وجواب کے امکانات پیدا ہو گئے تھے، لیکن ان امکانات کے لیے قرآن کی اندرونی شہادت تاریخ نزول قرآن اور بعض واقعات کی ترتیب کے علاوہ کوئی خارجی ثبوت نہیں ملتا، اس لیے اس سلسلہ میں جو کچھ بھی لکھا جائے گا، اس میں غلطی کا امکان ہے، مگر عاجز قرآن وسیرت کے مطالعہ سے اپنی حد تک جو کچھ بھی اخذ کر سکا ہے، اس پر اسے وثوق ہے، اس لیے اسے پیش کرنے کی جرأت کر رہا ہے واللہ اعلم بالصواب،

"صحیح روایتوں کے مطابق معراج کا واقعہ ہجرت سے ڈیڑھ سال قبل پیش آیا، ظاہر ہے، کہ سورۂ اسراء (یعنی سورہ بنی اسرائیل) اس کے بعد ہی نازل ہوئی، اور سورۂ یونس جس میں اوپر والی آیت مذکور ہے، سورۂ اسراء کے بعد نازل ہوئی،

اہل مدینہ کے متعلق تمام ارباب سیر لکھتے ہیں کہ ہجرت سے تین سال پہلے یعنی ۱۰ نبوی میں ان کے چھ آدمیوں نے اسلام قبول کیا، جو نزول سورۂ اسراء سے پہلے کا واقعہ ہے ظاہر ہے کہ

---

[1] بعض مفسرین نے اس سلسلہ میں عبداللہ بن سلام وغیرہ کا نام لیا ہے صاحب روح المعانی نے اس کی تردید کی ہے۔

یہ لوگ اسلام قبول کرنے کے بعد مدینہ میں جاکر خاموش نہیں بیٹھے ہوں گے، اسلام کا پیغام دوسروں تک پہنچایا ہوگا، عام طور سے ان کے اسلام کا چرچا ہوا ہوگا، عام اہل مدینہ نے جس میں یہودی بھی تھے، اسے جانا بھی ہوگا، ہمارے نزدیک اسی کا اثر تھا، کہ دوسرے سال یعنی ۱۲ھ نبوی میں یہ تعداد دگنی ہوگئی، اور ۱۲ آدمیوں نے آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی، اور خواہش ظاہر کی، کہ ہمارے ساتھ کسی کو کردیا جائے، جو وہاں رہ کر ہم کو اسلام کی تعلیم دے، چنانچہ آپ نے مصعب بن عمیرؓ کو ان کے ساتھ کردیا، حضرت مصعب بن عمیرؓ مدینہ پہنچے تو گھر گھر جاکر اسلام کا پیغام پہنچایا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جلد ہی مسلمانوں کی تعداد پہلے سے کئی گنا زیادہ ہوگئی۔

یہود جو مدینہ میں ہر طرف پھیلے ہوئے تھے جن سے انصار کا دن رات کا تعلق تھا، خود بھی ایک مذہب اور شریعت کے حامل تھے، ان کی اس حیثیت کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اہل مکہ بغرض تحقیق ان کے پاس آبھی چکے تھے، انہوں نے اس نئے دین کے بارے میں اگر انصار سے سوال وجواب اور بحث ومباحثہ شروع کردیا ہو تو کوئی تعجب نہیں، اور بعض روایتوں سے یہ پتہ بھی چلتا ہے کہ وہ آپ کی نبوت کے منتظر تھے[1] جیسا کہ کتب سیر میں ہے کہ آپ نے اہل مدینہ کے سامنے عقبہ میں سب سے پہلے اسلام پیش کیا تو وہ یہ کہہ کر اسلام لائے کہ ایسا نہ ہو کہ یہود ہم سے اس فضل میں سبقت لے جائیں۔

ان وجوہ کی بنا پر عاجز کا خیال ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں بعض مفسرین نے جو مومنین اہل کتاب کا نام لیا وہ صحیح نہیں ہے[2] اور نہ یہ صحیح ہے کہ مکہ میں بھی یہود تھے[3] بلکہ صحیح بات یہ ہے۔ کہ ہجرت سے پہلے ہی انصار مدینہ اور یہود کے درمیان اسلام کے بارے میں گفتگو اور بحث ومباحثہ

---

[1] اس کتاب میں متعدد جگہ اس کا ثبوت ملے گا [2] سیرۃ النبی ج ۱ ص ۱۶۲ بحوالہ الزرقانی اور ابن سعد [3] جیسا کہ اس سلسلہ میں مفسرین نے عبداللہ بن سلام اور تمیم داری کا نام لیا ہے مگر ظاہر ہے کہ یہ سورت اور پھر یہ آیت کی ہے، اس لیے اس سے ان کو مراد لینا صحیح نہیں ہوسکتا ہے [4] بعض مستشرقین کا یہی خیال ہے، اس کی تفصیل اوپر آچکی ہے،

کا آغاز ہو چکا تھا۔ اور انہوں نے ان کی کچھ نہ کچھ مخالفت بھی شروع کر دی تھی۔ جیسا کہ آیت کے سیاق و سباق سے بھی پتہ چلتا ہے، ان ہی تعلقات کی بنا پر آیت میں کہا جا رہا ہے کہ آپ ان لوگوں سے (مسلمانوں کے ذریعہ) تحقیق کر لیجئے جو کتاب کے عالم ہیں،

بیانِ مذکورہ بالا سے واضح ہوا ہو گا کہ ابتداً اسلام کے مقابلہ میں یہود کا رویہ معاندانہ نہیں تھا۔ بلکہ بڑی حد تک وہ اسلام کی صداقت کے معترف بھی تھے، مگر جوں جوں اسلام کی تعلیمات سے واقف ہوتے گئے، ان کی مخالفت اور دشمنی بڑھتی گئی، سورہ یونس کے بعد ہود اور حم سجدہ وغیرہ سورتیں نازل ہوئیں، جن میں ان کے متعلق بار بار یہ بات دہرائی گئی کہ یہ جان بوجھ کر قرآن کا انکار کر رہے ہیں، ان سورتوں کے بعد سورہ غاشیہ کا نزول ہوا، اس میں بھی قریب قریب وہی بات دہرائی گئی، پھر سورہ صافات نازل ہوئی، جس میں ان کی کتاب تورات کو "اماماً ورحمۃ" کے الفاظ سے یاد کیا گیا، اور قرآن کو اس کا حریف نہیں بلکہ مؤید قرار دیا گیا، پھر سورۂ انبیاء اتری، اس میں اس کو "الفرقان اور ضیاء" کہا گیا، لیکن اس ترہیب و ترغیب کے باوجود یہود کی روش میں کوئی تبدیلی نہیں پیدا ہوئی، بلکہ اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت میں وہ اور زیادہ سخت ہو گئے، اور اہل مکہ کو جیسا کہ قرآن میں ہے، پہلے سے زیادہ اسلام کے خلاف اکسانے اور اعتراض کے لیے ابھارنے لگے، چنانچہ سورہ انعام میں کھانے پینے سے متعلق محرمات کے سلسلہ میں ان کے اعتراضات کا جواب ذرا سخت انداز سے اور خاص طور سے ان کی طرف اشارہ کر کے دیا گیا ہے، ارشاد ہوتا ہے، سورۂ نحل میں مکرر ارشاد ہے۔

وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ	اور یہودیوں پر ہم نے تمام ناخن والے جانور حرام کر دیئے تھے۔
وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ	اور یہودیوں پر ہم نے وہ چیزیں حرام کر دی تھیں، جن کا بیان ہم اس سے قبل آپ سے کر چکے ہیں۔

لے نحل آیت ۱۴۱ اور ۱۲

ان دونوں آیتوں میں "اَلَّذِیْنَ هَادُوْا" کے الفاظ خاص طور سے قابل غور ہیں، اس سے پہلے ان الفاظ کے ساتھ ان کو یاد نہیں کیا گیا تھا، پھر دونوں آیتوں کے آخر میں کہا گیا۔

ذٰلِکَ جَزَیْنٰهُمْ بِبَغْیِهِمْ (انعام)	ان کی شرارت کے سبب ہم نے ان کو یہ سزا دی تھی،
وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰکِنْ کَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ (نحل)	ہم نے ان پر کوئی زیادتی نہیں کی لیکن وہ خود اپنے اوپر زیادتی کرتے تھے،

یہود اور مسلمانوں کے درمیان تعلقات کا جو ارتقاء قرآن کی آیات سے دکھایا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت سے پہلے ہی چند حق پسند اور صالح الفطرت افراد کے علاوہ پوری قوم یہود میں رفتہ رفتہ اسلام و شارع اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی مخالفت کا جذبہ پیدا ہونا شروع ہو گیا تھا، اور اس مخالفت کا اظہار کبھی اہل مکہ کے ذریعہ ہوتا تھا، اور اہل مدینہ کے ذریعہ، جن سے ان کا دن رات کا سابقہ تھا، مگر ابھی تک یہ مخالفت صرف ذہنی اور زبانی تھی۔

ہجرت کے بعد یہود کا یہ حال تھا کہ آفتاب اسلام کی کرنیں افق مدینہ پر چمکیں یعنی ختم رسل صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے تشریف فرمائے مدینہ ہوئے، یہود کے بعض صالح اور سلیم الفطرت افراد مثلاً عبد اللہ بن سلام اور میمون بن یامین وغیرہ جن کو تورات کی پیشین گوئی[1] علماء اور احبار یہود کی بار بار کی یاد دہانی، اور انصار کی مکہ میں آمد و رفت کے ذریعہ آپ کی بعثت کا علم ہو چکا تھا، بڑی بے چینی سے آپ کی ہجرت اور مدینہ میں آپ کی آمد آمد کا انتظار کر رہے تھے

---

[1] اس پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔

جونہی آپ جلوہ فرمائے مدینہ ہوئے وہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے[1] ان کے ساتھ بعض اور افراد نے بھی آپ کی نبوت کی صداقت کو تسلیم کیا[2] مگر ان کی تیرہ بختی نے نورِ حق کو ان کی تاریک قلوب تک پہنچنے نہیں دیا اور وہ مسلمان نہ ہو سکے،

عبداللہ بن سلام[رض] اور ابن یامینؓ کے اسلام لانے کا یہود پر بجائے اچھا اثر پڑنے کے اور الٹا اثر پڑا، اور انھوں نے اس اقدام حق پر ان کو حد درجہ مطعون اور لعنت ملامت کی۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت سے پہلے مکہ ہی میں یہود کی مخالفت اور دشمنی کا علم ہو چکا تھا، مدینہ آنے کے بعد اس کا عینی مشاہدہ بھی ہوا، اس لیے آپ نے مسجد نبوی و کاشانۂ نبوت کی تعمیر کے بعد ہی پہلا جو کام کیا وہ انصار اور یہود مدینہ کے ایک ایک قبیلہ سے معاہدہ امن و صلح تھا، تاکہ یہود کی مخالفت اور زیادہ آگے بڑھنے نہ پائے، اور آپ کے اور مسلمانوں کے بارے ان کو جو غلط فہمی ہو گئی ہے، اس کا ازالہ ہو جائے چنانچہ آپ نے قبائل یہود سے صرف معاہدہ

---

[1] ابن الہیبان نے خاص طور پر ان کو جمع کر کے اس پیشین گوئی کو یاد دلایا تھا، کتاب میں حضرت اسیدؓ کے حالات میں یہ پورا قصہ مذکور ہے انصار کے سامنے آپ نے پہلی بار اسلام پیش کیا، تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا۔ اور کہا ایسا نہ ہو کہ اس فضل میں یہود سے سبقت لے جائیں، اور ہم رہ جائیں، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے، کہ یہود جانتے تھے کہ خاک بطحا سے وہ نبی عنقریب مبعوث ہونے والا ہے جس کی بشارت حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل کو دی تھی، ابھی اوپر حضرت سلمہؓ کی روایت گزری ہے جس میں ہے کہ ایک یہودی عالم نے یہود کے ایک پورے مجمع میں آپ کے مبعوث ہونے کا اعلان کیا تھا۔

[2] مثلاً ابو یاسر بن اخطب نے جب قرآن کی آیتیں سنیں تو اپنے قبیلہ کے پاس آیا، اور کہا کہ ہم جس نبی کا انتظار کر رہے تھے، وہ آ گئے ہیں ان کی اطاعت کرو مگر اس کے بھائی حیی بن اخطب نے اس کی مخالفت کی، چونکہ یہ قبیلہ کا سردار تھا، اس لیے پوری قوم اس کی ہم آہنگ ہو گئی، فتح الباری ج ۸ ص ۲۱۲

اس سلسلہ میں بعض واقعات کا تذکرہ آگے آئے گا۔

امن و صلح ہی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ آپ نے اور آپ کے ساتھ صحابہ کرام نے ان کے ساتھ اپنا رویہ نہایت مصالحانہ، خیر خواہانہ اور روادارانہ رکھا۔

آپ بہ نفس نفیس ان کے مریضوں کی عیادت کرتے تھے، ان کے جنازے جاتے تھے، تو آپ احتراماً کھڑے ہو جاتے تھے، آپ کی مجلس میں ان کو چھینک آتی تو آپ دعائیہ کلمات ارشاد فرماتے[1] جب تک کسی مسئلہ میں قرآن کا صریح حکم نازل نہ ہو جاتا، آپ تورات کے حکم پر عمل کرتے اور اس میں خود یہود سے مشورہ کرتے تھے، آپ خود اور صحابہ ان ہی کی اتباع میں عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے، یہود آپ سے اور مسلمانوں سے بحث و مباحثہ کرتے، مگر آپ کبھی ناگواری کا اظہار نہ فرماتے، ایک مرتبہ حضرت سلمان فارسیؓ اور چند یہودیوں میں باہم اس بات پر کہ حضرت موسیٰ افضل ہیں یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سخت گفتگو ہو گئی، یہود خدمت نبوی میں شکایت لے کر آئے، آپ نے صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا، مجھے موسیٰ پر فضیلت نہ دو، اسی طرح ایک مرتبہ حضرت یونسؑ کا ذکر آیا، تو اس وقت بھی آپ نے یہی فرمایا کہ مجھے ان پر فضیلت دو۔

ایک طرف یہ لطف و کرم اور اخلاق و محبت کی بارش تھی، کہ بچہ بچہ اس سے سیراب تھا، دوسری طرف یہود کا طرز عمل یہ تھا کہ آپ کی مجلسوں میں آتے تو السلام علیکم کے بجائے السام علیکم (تم پر موت آئے) کہتے، آپ کی توہین کے لیے راعنا[2] کا لفظ استعمال کرتے، آپ سے اور مسلمانوں سے خواہ مخواہ بحث و مباحثہ کرتے، آپ کی شان میں گستاخیاں اور آپ کی نبوت کی تکذیب کرتے، مسلمانوں کو طرح طرح سے ستانے کی کوشش کرتے، ان سے بدکلامیاں کرتے، لیکن ان کی مسلسل ایذا رسانیوں، گستاخیوں، شرارتوں، ریشہ دوانیوں، فتنہ آرائیوں اور شر انگیزیوں کے باوجود

---

[1] ترمذی شریف باب اذا عطس الیہود [2] راعنا کے معنی ہیں میری رعایت کیجیے، مگر یہود اس کو زبان دبا کر راعینا کہتے تھے، جس کے معنی عربی میں ہمارے چرواہے کے ہیں۔ ان کی اس روش کو دیکھ کر مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی کہ تم راعنا کے بجائے "انظرنا" کا لفظ استعمال کرو، تاکہ ان کو آپ کی اہانت کا موقع نہ ملے۔

مسلمانوں کے ہاتھ سے صبر و تحمل کا دامن کبھی نہیں چھوٹا، اور ہمیشہ ان کے مقابلہ میں وہ حلم و بردباری اور صبر و ضبط اور اسلام کے اعلیٰ اخلاق کا اظہار کرتے رہے، اور انہوں نے اس کا خاص طور سے خیال رکھا کہ ان کی طرف سے کوئی ایسی بات نہ ہو، جو صلح و امن کے لیے مضر اور اس معاہدہ کے خلاف ہو، جو ان کے اور مسلمانوں کے درمیان ہو چکا تھا، چنانچہ قرآن یہود کے اس طرز عمل کے بارے میں مسلمانوں کو ہدایت دیتا ہے۔

وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا	اور تم بہت سی دل آزاری کی باتیں
الْكِتٰبَ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا	اہل کتاب (یہود) اور مشرکین سے
اَذًى كَثِيْرًا ۚ وَاِنْ تَصْبِرُوْا	سنو گے، تو تم اگر ان پر صبر کرو گے اور
وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ	تقویٰ کا طرز عمل اختیار کرو گے تو یہ
الْاُمُوْرِ	عزیمت کا کام ہو گا......

(آل عمران)

شروع سے یہود کے ساتھ مسلمانوں کا جو محبت آمیز برتاؤ تھا، اور جس رفیع دلنیت اور حسن سلوک کے ساتھ وہ ان سے پیش آ رہے تھے۔ اس کا تقاضا یہ تھا کہ وہ مسلمانوں سے قریب ہوتے، ان کی دعوت کو قبول کرتے، ان کے معاون و مددگار بنتے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ان سب کے باوجود وہ اسلام سے بیزار اور مسلمانوں سے دن بدن دور ہوتے جا رہے تھے، اس کے اسباب اور موانع کیا تھے؟ اس کو ہم ذرا تفصیل سے یہاں لکھتے ہیں۔

(۱) یہود میں متعدد طبقے تھے اور ان میں سے ہر ایک کا بعثت نبوی کے متعلق الگ الگ نظریہ اور خیال تھا۔

(۲) ایک طبقہ تو یہ سمجھتا تھا کہ حضرت موسیٰ کی بعثت اور تورات کے نزول کے بعد اب کسی اور نبی کی بعثت یا کسی اور کتاب الٰہی کا نزول نہیں ہو گا، لیکن یہ بہت محدود تھا، اس خیال کے

لے التلمود بحوالہ تاریخ الیہود

یہود عرب میں زیادہ نہ تھے،

(ب) دوسرے کا خیال یہ تھا کہ ایک اور نبی کی بعثت تو ہونے والی ہے، مگر وہ بنی اسرائیل سے ہو گا، اور اگر بنی اسرائیل سے نہ بھی ہوا تو ہر معاملہ میں کم از کم ان کی تائید ضرور کرے گا، چنانچہ انہوں نے بارہا آپ کے سامنے اس کا اظہار کیا۔

حدیث کی کتابوں میں ہے کہ ایک بار دو یہودی آپ کی خدمت میں آئے اور آپ سے چند سوالات کئے، آپ نے جواب دیا، تو کہا کہ بلاشک آپ نبی ہیں، ارشاد ہوا کہ پھر میرے اتباع سے کیوں گریز کرتے ہو، کہا حضرت داؤد نے دعا کی تھی کہ نبوت ان ہی کی اولاد (بنی اسرائیل) میں رہے گی، اگر ہم آپ کا اتباع کریں گے تو یہود ہم کو قتل کر دیں گے[1]

اس خیال کے یہود بکثرت تھے، اور یہی مخالفت میں پیش پیش تھے۔

(ج) تیسرا گروہ وہ تھا جو نہ نبوت کو حضرت موسیٰ پر ختم سمجھتا تھا، اور نہ اس کو بنی اسرائیل میں محدود، بلکہ وہ انبیاء کی اصل پیشین گوئی اور تورات کے بیان کے مطابق یہ سمجھتا تھا کہ ایک نبی آنے والا ہے، خواہ وہ عرب میں ہو یا عجم میں، یہی یہود کا اعتدال پسند گروہ تھا، اور یہی آپ کی بعثت کا منتظر تھا اور اسی کے بعض افراد نے اسلام قبول کیا[2] مگر بعض ذاتی مصالح کے تحت بیشتر افراد نے دوسرے گروہ کا راستہ اختیار کیا۔ اور ان کے ساتھ رہے۔ اور دولت ایمان سے محروم رہے،

عام طور پر یہود یہ سمجھتے تھے کہ جو نبی بھی آئے گا۔ ان کے ہر خیال اور ان کی زندگی کے ہر معاملہ میں ان کی تائید کرے گا، لیکن جب ان کی یہ توقع پوری ہوتی ہوئی نظر نہیں آئی، تو انہوں

---

[1] مسند طیالسی ص ۱۶۰ جزء ۵، نسائی باب تحریم الدم [2] تفسیر و سیرت میں یہود کے بارے میں بظاہر مختلف و متضاد روایتیں ملتی ہیں اس لیے مطالعہ کرنے والوں کے لیے پریشانی اور انتشار خیال کا باعث بن جاتی ہیں، لیکن اگر یہ تقسیم پیش نظر ہے تو انشاء اللہ ان روایتوں میں کوئی تضاد نظر نہ آئے گا۔

نے مخالفت شروع کردی۔

حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں یہود جو غلط اور فاسد عقیدہ رکھتے تھے، قرآن نے ابتدائے نزول ہی میں اس کا ابطال کیا۔ اور حضرت عیسیٰؑ کو راست باز اور ان کو مجرم ٹھہرایا۔

دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام کے متعلق بھی ان کی دینی کتابوں میں ایسے بے سروپا باتیں اور ان کے درمیان ایسے قصے عام طور پر مشہور تھے، جن سے ان کے دامن عفت پر نعوذ باللہ ہیں ذالک داغ ہی نہیں آتا تھا بلکہ ان کے فساد عقیدہ کا بھی پتہ چلتا تھا۔ قرآن نے اس طرح کے قصوں اور افسانوں کی بھی تردید کی۔ اور انبیاء کی عصمت و عفت کی شہادتیں پیش کیں۔ سورۂ انعام، سورہ مریم، سورہ صافات میں ایک ایک کا نام لے کر کسی کو صِدِّیقًا نَّبِیًّا، کسی کو کَانَ مِنَ الْمُخْلَصِیْنَ وغیرہ کہا، اور سورہ انعام میں تمام مشہور انبیاء کے ذکر کے بعد کہا کُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ، سب کے سب صالح اور نیکو کار تھے، حضرت سلیمان علیہ السلام کو خصوصیت کے ساتھ انہوں نے بہت زیادہ متہم کیا تھا، اور عجیب و غریب واقعات بلکہ کفر و شرک تک کو ان کی طرف منسوب کردیا تھا، قرآن نے سورہ نحل، پھر سورہ بقرہ میں اس کی تردید کی۔ اور ان کو ان چیزوں سے منزہ قرار دیا۔ اسی طرح دوسرے واقعات و قصص و حکایات کا بھی قرآن نے رد کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ساری باتیں یہود کے توقعات کے خلاف تھیں۔ اس لئے ان کا برافروختہ ہونا بالکل طبعی تھا، اور وہ برافروختہ ہوئے،

(۳) یہود جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں، ہر طرح کے اخلاق ذمیمہ اور معائب سیئہ میں مبتلا تھے۔ مگر اس کے باوجود اہل عرب میں عزت و شرف کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، اس لیے وہ اپنی موجودہ اخلاقی حالت و روش پر مطمئن ہی نہیں تھے بلکہ دینی حیثیت سے اس کو اپنے لیے جائز بھی سمجھتے تھے، جیسا کہ اہل کتاب کے اموال کے بارے میں انہوں نے اپنے خیال کا اظہار کیا تھا، (آل عمران)

اسلام اس کے برخلاف مکارم اخلاق، فضائل و محاسن کی تعلیم دیتا تھا، جس کے فروغ

کالازمی نتیجہ یہودیوں کی موجودہ حالت کا زوال تھا خصوصیت سے ان کی اقتصادی زندگی کی توقطعی موت تھی، اور چونکہ وہ اپنی روش کو بدل نہیں سکتے تھے۔ اس لیے انھوں نے مہر ہدائت ہی پر خاک ڈالنی شروع کردی۔ چنانچہ یہود کے جس طبقہ اور قبیلہ میں جتنی ہی اخلاقی کمزوریاں زیادہ تھیں، اتنا ہی وہ اسلام کی دشمنی میں پیش پیش تھا۔

(۴) یہود نے شرف ونجات کا مدار ایمان وعمل کے بجائے نسل وذات پر رکھا تھا۔ اسلام آیا تو اس نے شرف وعزت، نجات وبخشائش کا مدار ایمان وعمل قرار دیا۔ اس نے یہ اصول بنایا۔

وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ هُوَ خَيْرًا وَأَعْظَمَ أَجْرًا[۱] (مزمل-۲)	اور جو نیک عمل اپنے لیے آگے بھیج دو گے۔ اس کو اللہ کے پاس پہنچ کر اس سے اچھا اور ثواب میں بڑا پاؤ گے۔

شرف وعزت کا یہ معیار قرار دیا۔

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ (حجرات-۲)	تم سب میں بڑا شریف وہ ہے۔ جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔

چونکہ قرآن کے اس اعلیٰ اخلاقی اصولوں سے ان کے مزعومہ شرف وعزت کے قلعہ کی دیواریں مسمار ہو رہی تھیں، اس لیے وہ چراغ پا ہو گئے۔

(۵) اسلام سے پہلے اہل عرب عام طور سے علمی اور دینی اعتبار سے بالکل بے مایہ تھے، اور یہودیوں میں علم بھی تھا، اور مذہب بھی۔ اس لیے وہ قدرتی طور پر عربوں کو اپنے سے کم تر حقیر اور بے مایہ سمجھتے تھے، خود عربوں کو بھی ان کی برتری کا اعتراف تھا، ان میں اسلام آیا،

---

[۱] یہ آیت سورۂ مزمل کی ہے جو ابتدائی سورتوں میں ہے۔

اور انھوں نے اس کی تعلیمات کو قبول کیا، تو ان کی ذہنی اور علمی بے مائیگی دور ہونے لگی، اور ان کا احساس برتری خود بخود بیدار ہونے لگا، قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی قوم کسی شرف وفضل کی حامل ہوتی ہے تو طبعاً کسی دوسری قوم کو اس کا شریک بننا پسند نہیں کرتی، چاہے اس شرف وعزت کی خصوصیت کا کوئی ادنیٰ شائبہ بھی اس میں باقی نہ رہ گیا ہو، اس بنا پر یہود اپنے فضل وشرف میں عربوں کو شریک اور اپنے اوصاف وخصوصیات ان کی طرف منتقل ہوتے ہوئے کیسے دیکھ سکتے تھے،

(۲) ظہور اسلام سے پہلے عربوں میں آپس میں نہ کوئی وحدت تھی، نہ اخوت، بلکہ ہر طرف اختلاف انتشار، اور ظلم وستم کا دور دورہ تھا، وہ بے شمار قبیلوں اور خاندانوں میں بٹے ہوئے تھے، جب اسلام آیا تو اس نے ان چیزوں کو مٹایا، اس نے اختلاف کو اتحاد سے، انتشار کو وحدت سے بدلا، ظلم وستم کے بجائے اخوت ومساوات کی تعلیم دی جس کی وجہ سے عربوں میں اخوت ومساوات اور اتحاد واتفاق کی نئی روح دوڑنے لگی، پھر مدینہ پہنچ کر آپ نے اس کا عملی نمونہ یہ پیش کیا کہ انصار کے ان قبائل کو جو برسوں سے آپس میں لڑتے آرہے تھے، ان کو شیر وشکر کردیا، پھر اس سے بھی بڑھ کر مہاجرین اور انصار میں آپ نے مواخات یعنی بھائی چارہ کرادیا، انصار کے قبائل خصوصیت سے اہل مکہ اور اہل مدینہ میں صدیوں سے اختلاف چلا آرہا تھا، اور یہود اس سے برابر فائدہ اٹھاتے رہتے تھے، اس لیے ان کو متحد ومتفق ہوتے اور گلے ملتے یہ کیسے دیکھ سکتے تھے۔

پھر اسی اخوت ومساوات کی فضا سے عربوں ہی کو فائدہ نہیں پہنچا، بلکہ خود یہود مدینہ میں ضعیف اور کمزور طبقہ تھا، اس کے دلوں میں بھی نئے حوصلے اور انقلابی عزائم کروٹ لینے لگے حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہود مدینہ دو طبقوں میں بٹ گئے تھے،

ایک غالب اور مضبوط تھا دوسرا مغلوب اور مقہور، غالب طبقہ ان غریب یہودیوں پر ہمیشہ ظلم وستم کرتا رہتا تھا۔ حتیٰ کہ اگر غالب گروہ کا کوئی آدمی مغلوب گروہ کے ہاتھوں مارا جاتا تو ان کو سو وسق دیت دینی پڑتی اور اگر اس کے برعکس ہوتا تو وہ ان کو صرف پچاس وسق دیت دیتے، یہ ظلم وستم کا بازار اسی طرح گرم تھا کہ آپ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے، آپ کی آمد کے بعد ایک بار اسی طرح کا ایک معاملہ پیش آیا، تو مغلوب گروہ نے دیت دینے سے انکار کیا اور غالب گروہ کے پاس کہلا بھیجا کہ

انا انما اعطیناکم ھذا ضیماً منکم لنا وفرقا منکم فاما اذا قدم محمد فلا نعطیکم ذالک (مسند احمد ج ا ص ۲۴۶)

ہم اب تک زیادہ دیت صرف تمہارے ظلم اور خوف کی وجہ سے دیتے رہے ہیں اب جب کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنے کے بعد ظلم و زیادتی کا خوف نہیں ہے تو ہم زیادہ دیت نہیں دے سکتے۔

ظاہر ہے کہ یہ چیزیں یہود کے لیے کس قدر سوہان روح ہوئی ہوں گی۔

(۷) یہود کی مخالفت کے اسباب میں ایک سبب تحویل قبلہ بھی ہے، جب تک مسلمانوں کا قبلہ بیت المقدس تھا، عام عربوں اور مسلمانوں میں اس کی وجہ سے ان کی ایک عظمت باقی تھی، مگر جب تحویل قبلہ ہوا تو ان کی اس عظمت کو ایک اور دھکا لگا، ان کی مخالفت پہلے ہی سے کیا کچھ کم تھی۔ اب اس میں اور اضافہ ہو گیا، پہلے وہ یہ کہہ کر لوگوں کے سامنے اسلام کی اہمیت کم کرتے تھے۔ کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو ہمارے ہی قبلہ کی طرف نماز پڑھتے ہیں اب وہ یہ کہہ کر مخالفت کرنے لگے۔ کہ یہ نبی عجیب دین لے کر آئے ہیں کہ جن کا قبلہ بھی بدلتا رہتا ہے، اور پھر یہ کہتے کہ جو لوگ اس سے پہلے والے قبلہ کی طرف رُخ کر کے عبادت کر چکے ہیں۔ خواہ وہ زندہ ہوں یا مُردہ یا ان کی تمام عبادتیں اکارت گئیں، چنانچہ ان کے اس کہنے سننے کا اثر مسلمانوں پر بھی پڑا، اس لیے قرآن نے ان تمام اعتراضات کا جواب

دیا۔ سورہ بقرہ رکوع ۱۷، ۱۸ میں اس کی پوری تفصیل موجود ہے۔

اس تحویل قبلہ کا اثر ان پر اس قدر پڑا کہ جو اسلام کے سب سے بڑے دشمن تھے مثلاً کعب بن اشرف، رفاعہ بن قیس اور قردم بن عمرو وغیرہ آپ کی خدمت میں آئے اور کہا کہ یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ کیا بات ہے کہ تم نے قبلہ تبدیل کر دیا، اگر پہلے قبلہ کی طرف پھر لوٹ جاؤ۔ تو ہم تمہاری تصدیق اور اتباع کریں گے۔[1]

ظاہر ہے کہ یہ بات انہوں نے کسی اخلاص کی بنا پر نہیں کہی تھی۔ نہ یہ منشار تھا کہ وہ دین اسلام کو قبول ہی کر لیں گے، بلکہ اس تحویل قبلہ سے ان کے وقار اور ان کی دینی عظمت کو جو دھکا لگا تھا، چاہتے تھے کہ اس طرح اس کو سنبھال لیں، اور پھر ان کو یہ بھی خیال تھا کہ اگر وہ دوبارہ بیت المقدس کو قبلہ بنانے میں کامیاب ہو جائیں گے تو عام عربوں اور کمزور مسلمانوں کو برگشتہ کرنے کا ان کو موقع مل جائے گا۔

(۸) ان موانع کے باوجود جو نیک فطرت اور حق پسندانہ افراد تھے۔ وہ اسلام کی حفاظت کے کے قائل بلکہ اس کے قبول کر لینے کی طرف بھی مائل تھے، مگر چونکہ عام یہود آبادی اس کی مخالف تھی، اس لئے وہ ان کے خوف سے قدم آگے نہیں بڑھا سکتے، اس سلسلہ میں احادیث و سیر میں متعدد واقعات ملتے ہیں۔

مسند طیالسی اور نسائی میں ہے کہ کچھ یہود آپ کے پاس آئے اور انہوں نے آپ سے تسع بینات[2] کے متعلق سوال کیا، ارشاد ہوا کہ شرک نہ کرو، آپس میں قتل و خونریزی نہ کرو، چوری اور زنا نہ کرو، جادوگری سے اور سود خوری سے باز آؤ، پاک باز عورتوں پر تہمت نہ لگاؤ۔ بزدلی نہ دکھاؤ، کسی کمزور و بے قصور کو ناحق کوئی الزام رکھ کر قتل کرنے یا اس کے مال کے

---

[1] طبری میں اس کی پوری تفصیل موجود ہے۔

[2] قرآن مجید میں ہے کہ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ۔ اس روایت میں اسی طرف اشارہ ہے۔ تسع آیات کیا ہیں، اسی میں اختلاف ہے۔

لینے کی کوشش نہ کرو۔[۱]

آپ جب یہ سب کچھ ارشاد فرما چکے تو انہوں نے آپ کے ہاتھوں اور پیروں کا بوسہ دیا اور پکار اُٹھے

نشھد انک نبی — ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ بے شک نبی ہیں۔

آپ نے فرمایا جب تمہیں میری نبوت تسلیم ہے تو میرا اتباع کرنے میں کیا چیز مانع ہے۔ انہوں نے کہا:

انا نخشی تبعناک ان یقتلنا الیھود (مسند طیالسی ص ۱۶۰ جزء ۵ و نسائی) — ہم کو ڈر ہے کہ اگر ہم نے آپ کا اتباع کیا تو ہمیں یہودی مار ڈالیں گے۔

اسی طرح کعب بن اشرف جو بڑا مالدار یہودی تھا۔ اس کے متعلق زرقانی میں ہے کہ "اس کے یہاں سے تمام یہودی علماء و احبار کو وظیفے ملتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے کے بعد جب وہ ایک بار اس کے پاس اپنے وظائف لینے آئے۔ تو اس نے کہا کہ اس شخص محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔ انہوں نے کہا کہ

ھو الذی کنا ننتظر — یہ وہی ہیں جن کا ہم انتظار کر رہے تھے۔

چونکہ یہ جواب اس کی توقع کے خلاف تھا، اس لیئے یہ کہہ کر میرے دل میں اور بہت سے لوگوں کے حقوق ہیں۔ وظیفہ دینے سے انکار کر دیا، علماء و احبار اسکے یہاں لوٹے تو ان کو اپنے اظہار حق پر بڑا رنج ہوا، دوبارہ واپس آئے اور کعب سے عرض کیا کہ ہم نے عجلت میں جواب دے دیا تھا۔ بعد میں جب ہم نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ ہم نے جواب میں غلطی کی، یہ (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وہ منتظر نبی نہیں ہیں۔ اس کے بعد کعب نے ان کے وظائف جاری کر دیئے اور یہ اعلان کر دیا کہ

---

[۱] اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ تمام عیوب ان میں موجود تھے۔

لکل من تابعھم من الاحبار ۔ جو علمائے یہود (آپ کی نبوت کی تکذیب
شیئا۔ من مالہ میں) ان اخبار کا اتباع کریں ان کو بھی
(ج ۷ ص ۹ ۔ ۱۰) کچھ نہ کچھ وظیفہ ملے گا۔

اور جو اسباب و مواقع بیان کئے گئے ہیں۔ ان سے یہ اندازہ ہو گیا ہو گا کہ یہود کی مخالفت اور اسلام دشمنی کسی حقانیت یا کسی ٹھوس بنیاد پر نہیں تھی بلکہ اس میں صرف ان کی نفسیات خود غرضی اور دنیاوی مصلحتیں کام کر رہی تھیں، اور اس کو چھپانے کے لیے وہ مذہب کی آڑ لے رہے تھے۔

یہود سے معاہدہ اوپر ان کے اور مسلمانوں کے تعلقات کے سلسلہ میں ہم معاہدہ کا ذکر کر رہے تھے کہ ضمناً ان اسباب و مواقع کا ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوا جن کی وجہ سے یہود اسلام کی طرف بڑھنے کے بجائے اس سے دور ہوتے جا رہے تھے۔ اب پھر اس سلسلۂ بحث کو ہم شروع کرتے ہیں۔ معاہدہ انصار اور یہود دونوں سے ہوا تھا، جو حصہ یہود سے متعلق ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ یہود کو مذہبی آزادی حاصل ہو گی اور ان کے مذہبی امور سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا
۲۔ یہود اور مسلمان باہم دوستانہ برتاؤ رکھیں گے۔
۳۔ یہود یا مسلمانوں کو کسی سے لڑائی پیش آئے گی تو ایک فریق دوسرے کی مدد کرے گا۔
۴۔ قریش اور ان کے حلیف قبائل کو کوئی امان نہ دے گا۔
۵۔ کسی دشمن سے اگر ایک فریق صلح کرے گا تو دوسرا بھی شریک صلح ہو گا۔ لیکن مذہبی لڑائی اس سے مستثنیٰ ہو گی۔
۶۔ مدینہ پر کوئی حملہ کرے گا تو دونوں فریق مل کر مقابلہ کریں گے۔
۷۔ خون بہا اور فدیہ کا جو طریقہ پہلے سے چلا آ رہا تھا، وہ بدستور قائم رہے گا۔
۸۔ یہود اور انصار میں اگر کوئی اختلاف ہو گا تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

یہ آخری دفعہ انصار اور یہود دونوں کے معاہدات میں موجود ہے، یہ معاہدہ ۴۷ دفعات پر مشتمل ہے۔ جن میں تقریباً بائیس دفعات یہود سے متعلق ہیں جن کا خلاصہ یہاں بیان کر دیا گیا ہے۔ یہود کے معاہدہ میں یہ بات بھی کئی بار دہرائی گئی ہے کہ جو کوئی شخص یا قبیلہ عہد شکنی یا ظلم کرے گا۔ اس کا اس کو وبال اٹھانا پڑے گا۔

اس معاہدہ کے سلسلہ میں دو باتیں قابلِ غور ہیں، ایک یہ کہ یہ کس سنہ میں ہوا، اور دوسری یہ کہ اس میں یہود کے مشہور قبائل مثلاً بنو قریظہ، بنو نضیر اور بنو قینقاع کا ذکر کیوں نہیں ہے۔

تمام ارباب سیر معاہدہ کا ذکر ہجرت کے پہلے سال کے سلسلۂ واقعات میں کرتے ہیں۔ لیکن ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے اپنی کتاب "عہد نبوی میں نظام حکمرانی" کے صفحہ ۸۵-۸۶ میں یہود کے معاہدہ کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ غزوۂ بدر کے بعد یعنی ۳ھ میں مرتب ہوا۔ اس پر انہوں نے علمی طور پر کچھ دلائل بھی دیئے ہیں۔ مگر عاجز کو ڈاکٹر صاحب موصوف کی رائے سے اختلاف ہے اور اس کے لیے اس کے پاس دلائل بھی ہیں۔ جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں صرف اتنا اشارہ کافی ہے کہ معاہدہ کا انعقاد اگر غزوۂ بدر کے بعد تسلیم کیا جائے، تو پھر بنو قینقاع کے زمانۂ اخراج کو کچھ آگے بڑھانا پڑے گا۔ اس لیے کہ ۲ھ کے رمضان میں غزوۂ بدر پیش آتا ہے اور شوال کے مہینہ میں بنو قینقاع کا اخراج عمل میں آتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان سے معاہدہ کرنے اور ان کے اخراج میں اتنا کم فصل کس طرح قرین قیاس نہیں ہو سکتا۔

اس معاہدہ میں یہود کے کسی مشہور قبیلہ کا ذکر نہیں ہے، بلکہ زیادہ تر ان ذیلی قبائل کا ذکر ہے۔ جو جدید الیہودیہ تھے۔ اس لیئے خیال ہوتا ہے کہ یا تو ان سے الگ کوئی دوسرا معاہدہ ہوا یا پھر ان قبائل میں سے ہر ایک سے علیحدہ علیحدہ معاہدہ ہوا۔

یہ بات اس لیے اور بھی قرینِ قیاس ہے کہ اس معاہدہ میں دس یہودی قبائل کا الگ الگ ذکر کیا گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود کا ہر قبیلہ اپنی ایک علیحدہ وحدت اور جداگانہ حیثیت کے ساتھ اس میں شریک ہوا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب ان میں سے کسی قبیلہ نے مسلمانوں سے جنگ کی تو دوسرے خاموش رہے۔ بلکہ بعض مواقع پر تو انہوں نے اپنے ہم وطنوں کے علی الرغم مسلمانوں کی مدد بھی کی۔ اگر یہ تمام یہودی قبائل کا یہ متحدہ معاہدہ ہوتا تو کسی ایک سے جنگ چھڑ جانے پر دوسرے خاموش نہ رہتے۔

یہودِ مدینہ کا نقضِ معاہدہ جنگ اور ان کا خاتمہ

اب تک ان کی جو روش تھی، اس سے مسلمانوں کو ہر وقت یہ خطرہ لاحق تھا کہ معلوم نہیں کس وقت وہ نقضِ عہد کرکے ان پر حملہ کردیں، اسی خطرہ کی وجہ سے جب تک یہود مدینہ میں رہے، آپ جب کسی غزوہ میں مدینہ سے باہر تشریف لے جاتے تو مدینہ کی حفاظت کا پورا انتظام فرما جاتے، یہی نہیں، بلکہ آہستہ آہستہ وہ معاہدہ کی ان رعایتوں کو بھی ختم کرتے جا رہے تھے۔ جن کا مرعی رکھنا ان کے لئے ضروری تھا۔ غزوۂ بدر میں معاہدہ کی رُو سے ان کو مسلمانوں کی مدد کرنی چاہیئے تھی۔ مگر انہوں نے کوئی مدد نہیں کی۔ پھر بھی ان کو اس پر نہ کوئی شرمندگی ہوئی اور نہ ان کے طرزِ عمل میں کوئی فرق آیا، بلکہ بنو قینقاع نے تو غزوۂ بدر کے فوراً بعد ہی نقضِ معاہدہ[1] کا اعلان کردیا اور اس کا مظاہرہ بھی شروع کردیا۔ یعنی یہ کہ ایک مسلمان عورت کی کھلے بازار انہوں نے بے حرمتی کی، لیکن آپ نے نقضِ معاہدہ اور اس واقعہ کے بعد بھی ان کے خلاف جارحانہ اقدام نہیں کیا۔ بلکہ اتمامِ حجت کے طور پر ان کو جمع کرکے سمجھانے کی کوشش کی، اور ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی، لیکن وہ

---

[1] غزوۂ بدر کے بعد فوراً نقض معاہدہ کی وجہ بجز اس کے کچھ سمجھ میں نہیں آئی کہ انہوں نے سمجھا کہ مسلمان اس وقت کمزور ہیں اگر ان پر حملہ کر دیا جاتے تو بآسانی ختم ہو سکتے ہیں۔ [2] واقدی ص ۱۸۰

کسی طرح نہ ماننے اور انکار و جحود پر قائم رہے، تو آخر میں آپ نے فرمایا کہ خدا سے ڈرو کہیں ایسا نہ ہو کہ قریش کی طرح عذاب الٰہی تم کو بھی پالے۔ انہوں نے کہا ہم قریش نہیں ہیں، ہم سے جنگ ہو گی تو معلوم ہو گا، چونکہ اس افہام و تفہیم کے بعد اب مزید مہلت کا موقع باقی نہیں رہ گیا تھا، اس لئے مسلمانوں نے ان کے مکانوں کا محاصرہ کر لیا، آخر کار انہوں نے مدینہ چھوڑ دینے پر اپنی رضامندی کا اظہار کیا اور وہاں سے وادی القریٰ، پھر کچھ دنوں کے بعد شام چلے گئے [1]

اس قبیلہ کے بعض افراد کا اس کے بعد بھی مدینہ میں پتہ چلتا ہے، ممکن ہے جن لوگوں نے معافی مانگ لی ہو، ان کو رہنے کی اجازت مل گئی ہو۔

بنو قینقاع کے اخراج کے بعد بھی یہود کے دوسرے قبائل کو کوئی عبرت حاصل نہیں ہوئی، اور انہوں نے اپنی روش میں کوئی تبدیلی پیدا کی بلکہ اب پہلے سے بھی زیادہ انہوں نے اسلام کے خلاف ریشہ دوانیاں شروع کر دیں، خفیہ ساز باز کی قریش کو در پردہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کی سازش کی غرض معاہدہ کی ایک ایک دفعہ کو انہوں نے عملاً توڑ ڈالا، تو ان کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا گیا۔ اور ان کو اس کی سزا بھگتنی پڑی۔ اس لیے کہ معاہدہ میں بار بار یہ بات دہرائی گئی تھی۔ کہ جو ظلم یا نقض معاہدہ کرے گا، اس کو اس کا وبال اٹھانا پڑے گا۔ یعنی ۴ھ میں بنو نضیر کا مدینہ سے اخراج ہوا، اور ۵ھ میں بنو قریظہ کا استیصال کیا گیا۔

ہم نے یہاں قصداً بہت اختصار سے کام لیا ہے اس لئے کہ اس مختصر مقدمہ میں ان واقعات کی پوری تفصیل کی گنجائش نہیں ہے، حالانکہ اس سلسلہ میں عاجز کے مطالعہ میں بعض ایسی چیزیں بھی آئی ہیں جو سیرت کی متداول کتابوں میں نہیں ملتیں، مگر یہاں ان کے تذکرہ کا بھی موقع نہیں ہے۔

---

[1] واقدی ص ۳۶۲

سنہ ۴ھ میں بنو نضیر کے اخراج کے بعد مدینہ کی داخلی فضا بڑی حد تک پُرسکون ہوگئی، مگر مدینہ کے باہر کی فضا مسلمانوں کے حق میں پہلے سے بھی زیادہ خراب ہوگئی، یہودِ مدینہ سے نکلے تو بنو قینقاع تو وادیُ القریٰ ہوتے ہوئے شام چلے گئے، مگر بنو نضیر خیبر میں قیام پذیر ہوگئے، خیبر مدینہ کے بعد یہود کا دوسرا بڑا مرکز تھا، یہاں پہنچ کر وہ خاموش نہیں بیٹھے بلکہ اپنی ریشہ دوانیاں برابر جاری رکھیں۔ انہوں نے خیبر کے یہود اور آس پاس کے کے تمام عرب قبائل کو مدینہ پر حملہ کے لئے تیار کیا۔ ان کا ایک وفد قریش کے پاس بھی گیا۔ اس وفد کا سرگردہ حی بن اخطب تھا۔ اس سے اور قریش سے جو گفتگو ہوئی اسے ہم یہاں نقل کرتے ہیں تاکہ ان کی ریشہ دوانیوں کا پورا اندازہ ہو جائے۔

قریش: بنو نضیر کے لوگ کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں؟

حی بن اخطب: تركتهم بين خيبر والمدينة تيردّون حتّی تاتوهم فيتسيروا معهم الی محمد و اصحابه[1]

میں نے ان کو خیبر اور مدینہ کے درمیان چھوڑ دیا ہے۔ وہ گشت کر رہے ہیں اور تمہاری آمد کا انتظار کر رہے ہیں۔ تم ان کو محمد اور ان کے اصحاب پر حملہ میں اپنے ساتھ پاؤ گے۔

قریش: بنی قریظہ کا کیا حال ہے۔

حی بن اخطب: اقاموا بالمدينة مكرا بمحمد حتی تاتوهم فيميلوا معكم[1]

بنو قریظہ مدینہ میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دھوکا دینے کی غرض سے مقیم ہیں، جب تم مدینہ پہنچوگے تو وہ تمہارے ساتھ حملہ کر دیں گے۔

اس [illegible] سے دو باتوں کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، ایک یہ کہ ان کی سازش کا جال کتنی

---

[1] مغازی واقدی ص ۴۴۲ مطبوعہ بیپٹسٹ پریس کلکتہ

دُور تک پھیلا ہوا تھا؟ دوسری یہ کہ بنو نضیر کے اخراج کے وقت بنو قریظہ جو خاموش تھے تو درحقیقت اس میں ان کی ایک سیاسی چال اور سازش پوشیدہ تھی، جو غزوۂ خندق کی صورت میں ظاہر ہوئی۔ جس میں حجاز کے تمام مشہور قبائل شریک تھے، لیکن نصرت خداوندی اور مسلمانوں کے حُسنِ تدبیر سے ان کو زبردست شکست ہوئی۔

بنو قریظہ جس مقصد سے اب تک مدینہ میں رُکے ہوئے تھے اس کا اس موقع پر انہوں نے درپردہ اظہار بھی کیا، مگر ناکامیابی کے آثار دیکھ کر وہ کھل کر سامنے نہیں آئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ان کی دَرپردہ کیا دیوں اور فساد انگیزیوں کا چونکہ علم ہو چکا تھا اس لیے غزوۂ خندق کے فوراً بعد ہی مدینہ سے ان کا بالکل استیصال کر دیا گیا۔

یہود خیبر سے جنگ غزوۂ خندق کی عبرتناک شکست اور بنو قریظہ کی شدید ناکامیابی کے بعد بھی یہود کو تنبہ نہیں ہوا اور وہ دوبارہ خیبر اور اس کے آس پاس کے قبائل میں جنگ کی آگ بھڑکانے کی فکر میں لگ گئے، اس وقت یہود خیبر کا سردار اسیر بن رزام تھا، اس نے تمام عرب قبائل میں دَورہ کیا اور مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے ان کو ابھارا، یہود کے سامنے تقریر کی کہ ہمارے پیشروؤں نے محمّد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مقابلہ کے لیے جو تدبیریں اختیار کیں وہ غلط تھیں۔ صحیح تدبیر یہ ہے کہ خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مرکز حکومت پر حملہ کیا جائے، اور میں یہی طریقہ اختیار کروں گا[1]

امام سرخسی کے ایک بیان سے پتہ چلتا ہے کہ یہود خیبر اور اہل مکّہ کے درمیان بھی ایک خفیہ معاہدہ ہوا تھا، ان کے الفاظ یہ ہیں۔

لما کان بین اھل مکۃ	اہل مکّہ اور اہل خیبر (یہود) کے درمیان
واھل خیبر من المواخاۃ	یہ معاہدہ تھا کہ اگر رسول اکرم صلی اللہ

[1] زرقانی ج ۲ ص ۱۹۶

علی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا توجہ الی احد الفریقین اغاث الفریق الآخر[1]	علیہ وسلم دونوں میں سے کسی فریق پر حملہ کریں تو دوسرا فریق اس کی جنگی مدد کرے۔

ایک طرف یہود کے مکر و فریب کا یہ جال بچھا ہوا تھا، دوسری طرف خود اہل غزوۂ خندق کی ذلت انگیز شکست کے بعد انتقام کی تیاریاں کر رہے تھے، جس کی اطلاعیں برابر بارگاہِ رسالتؐ میں پہنچتی تھیں۔ ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے لیئے بیک وقت دونوں دشمنوں سے مقابلہ کرنا آسان نہ تھا۔ دوسرے اس وقت اہلِ مکہ سے کہیں زیادہ اہلِ خیبر کی طرف سے حملہ کا خطرہ تھا۔ اس لیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اہلِ مکہ سے حدیبیہ میں صلح کرلی تاکہ دشمن کا ایک بازو بیکار ہو جائے۔ امام سرخسی لکھتے ہیں۔

فوادع اھل مکۃ حتی یامن جانبھم[2]	اہلِ مکہ سے آپ نے معاہدۂ صلح کرلیا، جس سے آپ کو غنیم کے ایک گروہ کی طرف سے اطمینان ہو گیا۔

اور اہلِ خیبر کے خلاف جارحانہ اقدام کر دیا، چونکہ یہ معرکہ مختلف حیثیتوں سے بہت سخت تھا۔ اس لیئے آپ نے مدینہ میں یہ اعلان کر دیا کہ

لا یخرجن معنا الا راغب الجھاد	صرف وہی لوگ ساتھ چلیں جن کی نیت جہاد کی ہو۔

اس کے دو مقصود تھے، ایک یہ کہ بزدل، غنیمت کے حریص اور منافقین نہ جانے پائیں اور دوسرا یہ کہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہ اقدام ملک گیری کے لیئے نہیں بلکہ اعلاء

---

[1] شرح السیر الکبیر ج ۱ ص ۲۰۱ [2] مبسوط ج ۲۳ ص ۹

کلمۃ اللہ اور حفاظت خود اختیاری کے لیے ہے۔

مسلمان مدینہ سے خیبر کے لیے روانہ ہوئے تو یہود کے بعض حلیف قبیلوں نے راستہ میں ان سے کچھ چھیڑ چھاڑ کرنی چاہی، مگر مسلمان ان تمام مواقع سے بچتے ہوئے خیبر پہنچ گئے۔

اوپر ہم لکھ چکے ہیں کہ خیبر کے یہود نہایت مالدار اور جنگی حیثیت سے نہایت مضبوط تھے۔ ان کے پاس متعدد نہایت مضبوط اور مستحکم قلعے تھے۔ جن میں یعقوبی کے بیان کے مطابق بیس ہزار مسلح سپاہی موجود تھے۔ اس سے پہلے مسلمانوں کو اتنا سخت کوئی معرکہ پیش نہیں آیا تھا۔ تقریباً تین ہفتہ تک مسلسل جنگ ہوتی رہی، مسلمانوں کو بہت سخت مقابلہ کرنا پڑا، یہود قلعہ بند ہو کر لڑ رہے تھے، پھر ان کے پاس منجنیقیں تھیں، جنہیں وہ اس موقع پر استعمال کر رہے تھے۔ لیکن آخر کار یہود کے یہ تمام قلعے جن پر ان کو ناز تھا، یکے بعد دیگرے فتح ہو گئے اور ان کو شکستِ فاش اٹھانی پڑی۔

خیبر کے یہود کی گزشتہ ریشہ دوانیاں تو ایسی تھیں کہ وہ کسی رعایت اور مروت کے کے مستحق نہیں تھے۔ مگر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ صرف یہ کہ ان کے ساتھ کوئی سختی نہیں کی بلکہ ان کے ساتھ بہت خیر خواہانہ اور فیاضانہ سلوک کیا، ان کے قلعے، مکانات باغات سب واپس کر دیئے، ان کی زمینیں ان کے پاس رہنے دیں، اور طے کیا کہ ان میں جو پیداوار ہوگی۔ اس کا نصف حصہ وہ برابر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیتے رہیں گے۔

اس ضمن میں دو ایک واقعے قابلِ ذکر ہیں، اثنائے جنگ میں یہودیوں کا ایک چرواہا جس کے ساتھ جانوروں کا ریوڑ بھی تھا، آ کر مسلمان ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ جاؤ جانوروں کو ان کے مالک کے پاس پہنچا آؤ۔

دوران جنگ میں تورات کے کچھ نسخے مسلمانوں کے ہاتھ آ گئے تھے۔ وہ ان کو واپس

کردیئے گئے۔[1]

یہاں تک رعایت کی گئی کہ خیبر میں کوئی مسلمان امیر تک نہیں مقرر کیا گیا، بلکہ مسلمان تحصیل دار سال بسال وہاں جاتے تھے اور غلہ وصول کرتے تھے وہ غلہ کی وصولی میں اس قدر عدل وانصاف برتتے تھے کہ غلہ کو دو حصوں میں برابر تقسیم کر دیتے تھے اور یہودیوں سے کہتے کہ ان میں سے جو چاہو لے لو۔ یہ دیکھ کر یہود کہتے تھے کہ اسی عدل وانصاف کی وجہ سے یہ زمین و آسمان قائم ہیں۔[2]

اس موقع پر ایک طویل بحث یہود کے خیبر چھوڑنے کی بھی ہے، مگر ہم اس کو بخوف طوالت نظر انداز کرتے ہیں۔

حجاز کے دوسرے حصوں کے یہود جنگ خیبر کے نتیجہ کا انتظار کر رہے تھے، جو ان کے ہم مذہبوں کی شکست کی صورت میں برآمد ہوا، ان کی شکست اور سقوط خیبر کے بعد ہمیشہ کے لیئے حجاز سے یہود کا سیاسی اور جنگی زور ختم ہو گیا، امام سرخسی لکھتے ہیں۔

ان الیھود بالحجاز کانوا	حجاز کے تمام یہود اہل خیبر اور رسول اللہ
ینظرون مایئول الیہ حال	صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان
النبی صلی اللہ علیہ وسلم	جو جنگ تھی، اس کے نتیجہ کا انتظار کر رہے
مع اھلِ خیبر فقد کانوا	تھے۔ اس لیے کہ خیبر کے یہود حجاز کے
عزالیھود بالحجاز فلما	یہودیوں میں سب سے زیادہ غالب
صاروا مقھورین ذلت	معزز اور صاحب اثر تھے۔ جب وہ مغلوب
سائرالیھود وانقادوا	ہو گئے تو سارے یہودی منقاد و مطیع ہو گئے۔

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیاسی زندگی ص ۱۴۱ ہ

[2] مبسوط سرخسی ج ۲۳ ص ۷

چنانچہ اس کے بعد ہی فدک، تیما، وادالقریٰ اور بنو عذرہ کے یہودیوں نے یکے بعد دیگرے اطاعت قبول کر کے صلح کرلی۔

حجاز سے باہر مقناً، جرباء، اذرح وغیرہ میں جو یہود تھے، ان میں سے بیشتر نے ۸ھ سے ۹ھ کے درمیان اطاعت قبول کی، غرض یہ ہے کہ خیبر کی شکست کے بعد یہود کی قوت و عزت کا خاتمہ ہو گیا اور پھر ان کے اور مسلمانوں کے درمیان کوئی جنگ نہیں ہوئی۔

ابھی یہود بعد از اسلام کی تاریخ کے بہت سے گوشے، مثلاً اسلامی علوم وفنون کی ترقی و خدمت میں انہوں نے کیا حصہ لیا، اس کے کیا مفید و مضر اثرات مرتب ہوئے، مسلمانوں کے تمدن و معاشرت پر انہوں نے کیا اثر ڈالا اور اسلامی تمدن و معاشرت کے انہوں نے کیا اثرات قبول کئے۔ وغیرہ تشنۂ تفصیل ہیں۔ لیکن ہم کو ناظرین کتاب کی واماندگی نظر کا احساس ہے۔ اس لئے اس موضوع کو کسی اور فرصت کے لیے اٹھا رکھے ہیں اور نصاریٰ کی تاریخ کی طرف توجہ کرتے ہیں، جو اس مقدمہ کا دوسرا اہم حصہ ہے۔

نصاریٰ[1]

اوپر ہم لکھ چکے ہیں کہ عربوں سے دوسری قوموں کے تعلقات کے جو تین بڑے ذریعے تھے ان میں ایک عیسائیت بھی تھی۔ جزیرہ عرب میں اس کی ابتدا کب اور کس طرح ہوئی؟ اس کو سب سے پہلے عرب کے کن قبائل نے قبول کیا۔ صحیح طور سے ان کی نشاندہی مشکل ہے۔ تاہم عرب کے نصاریٰ[1] کی تاریخ سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ یہود کے برخلاف جزیرہ میں اُن کی آمد اور عیسائیت کی ترویج و ترقی کے اسباب زیادہ تر سیاسی اور کسی حد تک تبلیغی اور تجارتی تھے، یہود یا تو یہاں ہجرت کر کے آئے تھے یا تجارت کی غرض سے آئے تھے اور پھر یہاں آکر آباد ہو گئے۔ جس کی وجہ سے یہودیت کو فروغ ہوا، اس کے برعکس یہاں عیسائیت کی ابتداء اور اس کی اشاعت زیادہ تر حکومت کے سایہ میں ہوئی، تجارتی آمد و رفت سے بھی کسی قدر اس میں مدد ملی اور عیسائی مشنریوں اور پادریوں نے بھی اس کی اشاعت میں حصہ لیا، مگر یہ سب حکومت کے کارندے تھے، تاریخ سے یہ بالکل پتہ نہیں چلتا کہ خود عیسائیوں کا کوئی طبقہ یا قبیلہ کہیں

---

[1] حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں کو عیسائی اور نصرانی دونوں کہتے ہیں۔ نصاریٰ اسی نصرانی کی جمع ہے جب حضرت عیسیٰؑ کے نام کی طرف ان کی نسبت ہوتی ہے تو عیسائی کہے جاتے ہیں اور جب آپ کے وطن ناصرہ کی طرف نسبت ہوتی ہے تو نصرانی کہلاتے ہیں۔

باہر سے ہجرت کرکے جزیرہ میں آیا ہو اور یہاں بس گیا ہو، اس لئے یہ سمجھنا چاہیئے کہ عرب میں جو عیسائی تھے وہ سب خالص عربی النسل تھے۔

عرب کے پڑوس میں روم و حبشہ دو عیسائی حکومتیں قائم تھیں، جن کے اثر سے یہاں عیسائیت کو فروغ ہوا، اس لئے پہلے ان کے اور عربوں کے تعلقات پر ایک سرسری نظر ڈال لینی چاہیئے۔

رومیوں اور عربوں کے قدیم تعلقات

قدیم زمانہ سے عربوں کی تجارت تقریباً تمام قریب و بعید ملکوں میں تھی، چین، ہندوستان، افریقہ اور یورپ تک عرب اپنا مالِ تجارت لے جاتے تھے، خصوصیت سے ایشیائے کوچک اور رومیوں کے تعلقات کا ذریعہ تو عرب تاجر ہی تھے[۱] لیبان نے لکھا ہے کہ ۷ویں صدی قبل مسیح سے پہلے سے رومیوں اور عربوں کے تعلقات کا پتہ چلتا ہے، مگر رومی و یونانی مورخین اس سے بہت کم واقف تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مسالے، عطریات، ملبوسات اور جواہرات وغیرہ کی قسم کی چیزیں جو ہندوستان و چین سے آتی تھیں اور عربوں کے ذریعہ دوسرے ممالک کو جاتی تھیں، وہ عرب ہی کی پیداوار اور حاصلات سمجھتے تھے، اسی لالچ میں رومیوں نے کئی بار جزیرہ عرب کو فتح کرنے کی کوشش کی، مگر کامیاب نہیں ہوئے[۲]

عربوں اور رومیوں کے یہ تعلقات اس وقت تھے، جب رومی صرف رومی تھے، عیسائی نہیں ہوئے تھے، لیکن ان کے عیسائی ہو جانے کے بعد ان میں اور عربوں میں جو تعلقات پیدا ہوئے اس کی تفصیل یہ ہے۔

رومی عیسائیوں سے تعلقات

قدیم زمانہ میں یمن کے متعدد عربی قبیلے، ترکِ وطن کرکے دمشق و کوفہ میں آباد ہو گئے تھے۔ سنہ

---

[۱] تمدن عرب ص ۸۵ [۲] ایضاً ص ۳۰

عیسوی کی ابتدائی صدیوں میں ان قبائل نے یہاں اپنی متعدد نو آبادیاں اور قبائلی ریاستیں قائم کرلی تھیں، ایک طرف اگر ایرانی سرحد کے قریب حیرہ (کوفہ) میں ان کی ایک ریاست تھی تو دوسری طرف دمشق میں رومی اور عربی سرحد پر قبیلہ صلیح جن کو ضجاعمہ اور ضجاعم بھی کہتے ہیں، ان کی نو آبادی قائم تھی، ان کے علاوہ سرحدی علاقہ میں اور بھی متعدد قبائل آباد تھے۔

عربوں کو ایرانیوں اور رومیوں دونوں سے نفرت تھی۔ اور پھر وہ معاشی حیثیت سے بھی مطمئن نہیں تھے۔ اس لئے اپنے ملحقہ رومی اور ایرانی علاقوں میں برابر لوٹ مار کرتے تھے، رومیوں اور ایرانیوں میں صدیوں سے سیاسی چشمک تھی، اس لیے دونوں کچھ تو اپنے سیاسی مصالح اور دوسرے عربوں کی آئے دن کی غارت گری اور لوٹ مار کی وجہ سے ان کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کرتے رہے، جس میں دونوں کو کامیابی ہوئی۔ ایک طرف اگر ایرانیوں نے آہستہ آہستہ حیرہ کے عربوں کو اپنا ہمنوا بنالیا[1] تو دوسری طرف رومی دمشق کے عرب قبائل کی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے، وہاں اپنی ایک باجگذار ریاست بنالی[2]

دمشق میں پہلے قبیلہ ضجیم کی جو یہاں کا سب سے طاقتور قبیلہ تھا، باج گذار حکومت قائم ہوئی۔ سد مارب کے ٹوٹنے کے بعد قبیلہ غسان جب یمن سے ہجرت کر کے دمشق آیا تو ضجعیوں نے رومی سلطنت کی طرف سے ان پر فی کس ڈیڑھ دینار سالانہ ٹیکس مقرر کیا، پہلے تو اس کے ادا کرنے میں انہوں نے پس و پیش کیا مگر پھر راضی ہوگئے، اور کچھ دنوں تک ٹیکس دیتے رہے، پھر اس کے دینے سے انکار کر دیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں میں جنگ ہوئی، جس میں ضجعیوں کو شکست ہوئی اور غسانیوں نے یہاں

---

[1] تمدن عرب ص ۸۵ [2] خطط الشام ص ۶۳ ج ۱

اپنی حکومت قائم کر لی، جس کا سردار یا حکمران ثعلبہ تھا۔

غسانی چونکہ رومیوں کے ٹیکس سے عاجز آکر لڑائی پر اُتر آئے تھے، اس لیے غالباً رومی حکومت کو خطرہ پیدا ہوا ہوگا۔ کہ کہیں یہ ایرانیوں سے نہ مل جائیں۔ اس لیے انہوں نے غسانی سردار ثعلبہ کے پاس پیغام بھیجا کہ "تم بڑے بہادر لوگ ہو، تم نے عرب کے سب سے طاقت ور قبیلہ کو شکست دے دی۔ اس لیے ضجعمیوں کی جگہ تمہیں حاکم مقرر کیا جاتا ہے، تم پر کوئی حملہ آور ہوگا تو رومی حکومت چالیس ہزار فوج سے تمہاری مدد کرے گی۔ اور اگر ہم پر کوئی حملہ آور ہوا تو تم لوگ بیس ہزار مسلح فوج سے ہماری مدد کرو گے۔ اس کے ساتھ ہمارے اور ایرانیوں کے باہمی معاملات میں تمہیں کوئی دخل نہ ہوگا۔ چنانچہ طرفین میں یہ معاہدہ ہو گیا اور غسانیوں کی حکومت یہاں قائم ہو گئی۔[1]

غسانی حکومت کس صدی میں قائم ہوئی؟ مختلف فیہ ہے، عام مؤرخین اور انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے مرتبین کے بیان کے مطابق یہ چھٹی صدی عیسوی کی ابتداء کا واقعہ ہے۔ مگر صاحبِ کتاب المحبر کا بیان ہے کہ غسانی حکومت کی ابتدا تیسری صدی کے ابتدائی سالوں میں ہوئی۔ محمد بن حبیب نے لکھا ہے کہ غسانیوں سے جس رومی شہنشاہ نے معاہدہ کیا تھا اس کا نام دی قیوس تھا۔ جس کی وفات سنہ ۲۰۱ء میں ہوئی۔[2] اس سے ظاہر ہے کہ غسانیوں کی آمد اس سے پہلے ہوئی ہوگی۔ غرض غسانیوں نے ہمیشہ عربی حمیت و وفاداری کی لاج رکھی اور سخت سے سخت وقت میں بھی رومیوں کا ساتھ نہیں چھوڑا اور ان کے دمساز رہے، یہاں تک کہ ان کے اثر سے خود بھی عیسائی ہو گئے۔

---

[1] کتاب المحبر ص ۳۷۱ حیرہ کی تاریخ جتنی الجھ گئی ہے، اتنی ہی غسانیوں کی تاریخ الجھی ہوئی ہے، یہ بیان ہم نے ڈاکٹر حمید اللہ کے اتباع میں کتاب المحبر سے لیا ہے جو بہت واضح ہے، اور جس سے غسانیوں کی تاریخ پر پوری روشنی پڑتی ہے

[2] ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ محمد بن حبیب کے اس بیان کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اب تک یہ خیال تھا کہ سنہ ۵۰۱ء کا واقعہ ہے، سیاسی زندگی ص ۲۵۶ [3] انسائیکلو پیڈیا آف اسلام بحوالہ سیاسی زندگی۔

عربوں کی یہی سرحدی ریاست جزیرۂ عرب میں عیسائیت کی سوغات لائی، اور پورے جزیرہ میں اس کو لے جا کر تقسیم کیا۔ اس کے بعد رومیوں کے اثرات بتدریج بڑھتے گئے یعنی ان کی اسی حکم برداری کے سایہ میں ان کا تمدن، ان کا علم اور مذہب بھی آیا، جس سے عربوں کی متعدد چھوٹی چھوٹی قبائلی ریاستیں پورے طور پر رومیوں کے سیاسی اثر کے ماتحت آگئیں اور متعدد قبائل نے عیسائیت قبول کرلی، ان کے یہ تمدنی اور علمی اور مذہبی اثرات صرف سرحدی مقامات وقبائل ہی تک محدود نہیں رہے، بلکہ انہوں نے اس کو شمالی حجاز کے مرکزی شہروں مکہ، یثرب اور وادی القریٰ تک پھیلانے کی کوشش کی۔

کعبہ کی وجہ سے مکہ کو مذہبی تقدس حاصل تھا اور اس کی تولیت پورے عرب کی سیادت کے ہم معنی تھی، اس لیے ہر زمانہ میں ہر طاقت ور قبیلہ نے اس پر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ پہلے جرہم اس پر قابض تھے، اس کے بعد خزاعہ قابض ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پرداد ا کے دادا قصی نے خزاعی سردار حلیل جو اس وقت کعبہ کا متولی تھا اس کی لڑکی سے شادی کرلی، قصی نہایت ہوشمند اور صاحبِ صلاحیت تھے، اس لیے حلیل جب مرنے لگا تو کعبہ کی تولیت کے لیے ان کو وصیت کرگیا، لیکن بنو خزاعہ نے اس کے مرنے کے بعد قصی کو متولی تسلیم کرنے سے انکار کردیا اور جنگ تک نوبت پہنچ گئی اور قصی کامیاب ہوگئے، ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ

واعانہ قیصر علیہا ص۲۷۹ — قیصر روم نے اس اقتدار کے حصول میں قصی کو مدد دی،

بعثت نبوی سے دو سو برس پہلے یثرب میں ایک مرتبہ یہودیوں اور اوس وخزرج میں جنگ ہوئی تو غسانی عیسائیوں نے ان قبیلوں کی مدد کی تھی[1] ظاہر ہے کہ رومیوں اور غسانیوں کی قصی اور اوس وخزرج کے ساتھ یہ ہمدردی اور امداد واعانت یونہی نہیں تھی، بلکہ اس

---

[1] ابو الفداء ص ۹۸، وفاء الوفاء

میں ان کی ایک سیاسی غرض بھی پوشیدہ تھی، یعنی وہ چاہتے تھے کہ سرحدی مقامات کی طرح جزیرہ کے اندرونی مقامات خصوصیّت سے حجاز میں بھی ان کا کچھ نہ کچھ عمل دخل ہو جائے اور وہ اس میں کسی حد تک کامیاب بھی ہوئے تفصیل آگے آتی ہے۔

اہلِ حبشہ اور عربوں کے تعلقات

سرحدی مقامات اور شمالی حجاز میں عیسائی اثرات رومی حکومت یا اس کے زیر اثر سرحدی ریاستوں کے ذریعہ پھیلے، مگر جزیرہ کے جنوبی حصہ یعنی یمن اور اس سے ملحقہ علاقوں میں عیسائیت کے فروغ کا سب سے بڑا ذریعہ حبشہ کی عیسائی حکومت تھی، اس لئے اس کے اور عربوں کے قدیم تعلقات پر بھی ایک نظر ڈال لینی چاہیئے۔

بعض مستشرقین حبشہ (ابی سینیا) کے صوبہ امہرہ کا تعلق یمن کے قدیم قبیلہ مہرہ سے ثابت کیا ہے[1]۔ ابنِ خلدون نے مہرہ کے متعلق تو نہیں، مگر اس سلسلہ کی دوسری شاخوں کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ مصر و حبشہ تک پھیل گئے تھے[2] ممکن ہے اسی تعلق کی بنا پر مستشرقین نے یہ رائے قائم کرلی ہو۔

اگر ابن خلدون اور مستشرقین کے بیان کو تسلیم کرلیا جائے تو تیسری صدی عیسوی سے پہلے عربوں اور اہلِ حبشہ میں تعلقات قائم ہو چکے تھے[3]۔

یمن میں عیسائیت کا سب سے بڑا مرکز نجران تھا، پانچویں صدی عیسوی سے پہلے یہاں عیسائیت آچکی تھی، اس وقت یہاں حمیری حکومت تھی، جس کے فرماں روا عموماً یہودی تھے۔ آخری فرمانروا ذو نواس تو خالص یہودی تھا، یمن کی اس حمیری حکومت اور حبشہ کی عیسائی حکومت میں برسوں سے کشمکش تھی۔ یمن میں عیسائیت کے فروغ سے حمیری حکومت

لہ سیاسی زندگی ص ۱۳۹ ۲ہ ابنِ خلدون ج ۲ ص ۲۴

۳ہ اس لیے کہ جن قبائل کا ذکر ابن خلدون نے کیا ہے وہ مارب ٹوٹنے سے پہلے یمن سے باہر جا چکے تھے اور سدِ مارب کے متعلق اوپر ثابت ہو چکا ہے۔ یہ واقعہ تیسری صدی کی ابتدار میں پیش آیا۔

اپنے لیے خطرہ محسوس کر رہی تھی، اس لیئے وہ اس ملک میں اس کے خاتمہ کی فکر میں تھی، اسی اثنار میں ایک اتفاقی واقعہ یہ پیش آگیا کہ دو یہودی نجران میں قتل کر دیئے گئے ذو نواس کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس کو ایک بہانہ ہاتھ آگیا۔ پوری ایک فوج کے ساتھ نجران گیا اور عیسائیوں کا قتل عام کر دیا، مفسرین لکھتے ہیں کہ قرآن کی اس آیت قُتِلَ اَصْحَابُ الْاُخْدُوْدِ[1] میں ذو نواس کے اسی حملہ اور قتل عام کی طرف اشارہ ہے۔

جو نجرانی عیسائی قتل ہونے سے بچ گئے، حبشہ کے عیسائی بادشاہ کے دربار میں فریاد لے کر پہنچے اور اس کے سامنے انجیل مقدس کی جلی ہوئی جلدیں پیش کیں، غالباً وہ تنہا یمنی حکومت سے ان مظالم کا انتقام نہیں لے سکتا تھا، اس لیے اس نے قیصر روم سے مدد چاہی بعض مؤرخین کا بیان ہے کہ خود نجران کے فریادی ہی قیصر روم کے پاس گئے تھے۔ بہت ممکن ہے کہ ان میں سے کچھ حبشہ گئے ہوں اور کچھ روم اور مدد کے خواہشگار ہوئے ہوں۔

بہرحال قیصر متاثر ہوا اور کئی سو کشتیاں تیار کرا کے حبشہ روانہ کیں، خود نجاشی شاہِ حبشہ نے بھی سات سو کشتیاں تیار کرائیں اور ان پر ایک لاکھ یا اس سے زیادہ فوج سوار ہوئی اور یہ فوج ان ہی کشتیوں کے ذریعہ آبنائے، باب المندب کو عبور کر کے یمن کے ساحل پر اتر گئی اور یمن پر حملہ کر دیا۔ جس میں ابتداءً ان کو شکست اٹھانی پڑی، مگر فوراً ہی حبشہ سے مزید کمک آگئی اور اس نے حمیری حکومت کو شکست دے دی، یمن کے فرمانروا ذو نواس نے خودکشی کر لی، یہ واقعہ ۵۲۵ء کا ہے۔ ذو نواس کی شکست و خودکشی کے بعد پورا یمن حبشہ کی عیسائی حکومت کے تحت آگیا اور اس کے زیر سایہ عیسائیت

---

[1] اس آیت کی تفسیر و تشریح یہود کے ذکر میں آچکی ہے۔

کو یہاں بڑا فروغ ہوا، اور تقریباً سو برس تک اس کا زور باقی رہا، اس کے بعد یمن پر ایرانیوں کا قبضہ ہوا، جس سے عیسائیت کا زور تو گھٹ ضرور گیا، مگر ختم نہیں ہوا۔

ہم نے اوپر یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ جزیرہ عرب میں عیسائیت کو فروغ ہمیشہ حکومت کے زیر سایہ، یا عیسائیوں کے سیاسی تغلب کے ماتحت ہوا ہے، ان واقعات سے ہمارے اس خیال کی تائید ہوتی ہے۔

یمن پر حبشہ کے تسلط کے بعد، اس کی طرف سے برابر گورنر مقرر ہو کر وہاں جاتے تھے۔ یمن میں حبشہ کی حکومت کا ایک عیسائی گورنر ابرہہ گزرا ہے۔ جو بڑا مذہبی تھا اور جس نے وہاں بہت سے تاریخی و تمدّنی کارنامے انجام دیئے ہیں، جن کی وجہ سے اس کا نام اب تک زندہ ہے، مثلاً سد مارب کی مرمت اور متعدد گرجوں کی تعمیر وغیرہ۔

اصحاب الفیل اسی ابرہہ کے زمانہ کا ایک واقعہ کعبہ کے انہدام کی غرض سے خود اس کی سرکردگی میں اصحابِ فیل کی مکہ پر چڑھائی کا بھی ہے، جس کا عربوں سے بڑا گہرا تعلق ہے اور قرآن میں اس کا ذکر آجانے کی وجہ سے اس کو بڑی اہمیت حاصل ہو گئی ہے، اس حملہ کے مفسرین نے متعدد اسباب بیان کئے ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ؛

ابرہہ نے یمن کے دارالسلطنت صنعا میں ایک کلیسا تعمیر کرایا، اور شاہ حبشہ کو لکھا کہ اس کلیسا کی تعمیر سے میرا مقصد یہ ہے کہ کعبہ کے بجائے لوگ یہاں آئیں اور اس کو کعبہ بنائیں کسی طرح عربوں کو اس کا علم ہو گیا اور اس کا خط ان کے ہاتھ لگ گیا، جس سے ان کو بڑا اشتعال پیدا ہوا، اور ایک شخص نے صنعا جا کر کلیسا کو گندہ کر دیا، ابرہہ نے اس پر کعبہ کے انہدام کا فیصلہ کر لیا اور مکہ پر حملہ کر دیا۔

دوسرا یہ کہ کچھ عربوں کی غلطی کی وجہ سے کلیسا میں آگ لگ گئی، جس سے مشتعل ہو کر ابرہہ نے مکہ پر چڑھائی کر دی۔

امام طبری نے لکھا ہے کہ ابرہہ کے یہاں سے بہت سے عربوں کو وظیفہ اور روزینہ ملتا تھا، ایک مرتبہ خزاعہ کے چند افراد اُس کے دربار میں آئے، جن میں محمد بن الخزاعی اور اس کا بھائی قیس بھی تھا، ابرہہ نے ان سے کہا کہ میں نے یہاں ایک کلیسا بنوایا ہے اور چاہتا ہوں کہ تم تمام قبائل میں گھوم گھوم کر اعلان کردو کہ وہ یمن کے اس کعبہ کے حج کے لئے آئیں، یہ دونوں اس مہم پر روانہ ہوگئے، جب یہ قبیلہ بنو کنانہ میں پہنچے تو اس کے چند افراد نے انہیں قتل کر دیا۔ اس پر ابرہہ نے حملہ کی تیاری شروع کر دی[1]

عموماً ان ضمنی باتوں کو جو اصلی سبب کے ضمن میں پیش آئیں، حملہ کا سبب بنا دیا جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے ان واقعات کے پڑھنے والے کو تشویش ہوتی ہے، لیکن اگر غائر نظر سے دیکھا جائے تو کلیسا میں گندگی کرنے، آگ لگ جانے یا خزاعی سردار کے قتل کے واقعات درحقیقت حملہ کا سبب نہیں، بلکہ اس کا بہانہ بن گیا، اصلی سبب سیاسی اور مذہبی تغلب تھا، جیسا کہ نجران پر حملہ کرنے کے لئے ذونواس نے یہودیوں کے قتل کو بہانہ بنا لیا تھا، حالانکہ سیاسی مصالح کے ماتحت وہ پہلے سے اس پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔

بات یہ ہے کہ کعبہ کی وجہ سے رومیوں کو قدیم زمانے سے حجاز اور خصوصیت سے اس کے مرکزی شہر مکّہ پر قبضہ کرنے کی خواہش تھی اور اس کے لئے انہوں نے کئی بار کوشش بھی کی، مگر ناکام رہے، اس کے بعد انہوں نے غیر جنگی طریقہ اختیار کیا یعنی اقتصادی و سیاسی مراعات و فوائد کے نام سے انہوں نے عربوں کی استمالت شروع کی۔

اوپر یہ آچکا ہے کہ قصی کو قیصر نے مکہ پر قبضہ کرنے میں مدد دی اور ان کے حوصلہ مند پوتوں کو رومیوں اور حبشیوں نے اپنے اپنے ملکوں میں تجارت اور آمد و رفت کی سہولتیں فراہم کیں، ہاشم کے چار لڑکے تھے، ہاشم، عبدالشمس، نوفل، المطلب، ان میں

---

[1] پوری تفصیل طبری تفسیر سورہ فیل میں موجود ہے۔

سے ہر ایک نے جزیرہ عرب کے ملکوں سے تعلقات پیدا کیے اور ان ممالک میں تجارتی سہولتیں حاصل کیں۔ عبد شمس نے قیصر روم اور شاہِ غسان سے نوفل نے شاہِ ایران سے مطلب نے یمن کے حمیری بادشاہ سے اور ہاشم نے نجاشی شاہ حبشہ سے ملاقات کی، ابن سعد میں ہے کہ قیصر روم نے ہاشم کے لیے نجاشی کے نام ایک سفارشی خط بھی لکھا تھا[۱] اس کا مقصد یہ تھا کہ اگر سختی اور جبر سے ان پر قابو پایا نہیں جا سکتا، تو اسی ذریعہ سے ان پر اپنا سیاسی و مذہبی اقتدار قائم کیا جائے اور سرحدوں پر اس کا کامیاب تجربہ ان کو ہو بھی چکا تھا۔ مگر حجازی عرب ان سے کہیں زیادہ ہوش مند نکلے اور ان کی ہوسِ اقتدار پوری نہ ہو سکی۔

جب حبشہ پر رومیوں کا اقتدار ہوا اور حبشہ کے ذریعہ یمن قبضہ میں آیا تو ان کے دل میں حجاز کو سر کر لینے کی پھر خواہش پیدا ہوئی ہو تو تعجب نہیں اور کیا عجب ہے کہ اپنی اسی دیرینہ آرزو کی تکمیل ہی کی غرض سے انہوں نے یمن کو فتح کرنے میں حبشہ کی مدد کی ہو۔

لیکن اس راہ میں سب سے بڑی جو چیز حائل تھی وہ کعبہ کا تقدس اور اس کی وجہ سے مکّہ اور اہلِ مکّہ کی مرکزیت تھی، اس کو ختم کرنے کے لیے ابرہہ نے دو کلیسے بنوائے، ایک صنعا میں اور دوسرا نجران میں اور سارے عرب قبائل میں ان کی زیارت کے لیے وفود بھیجے، مگر اس کو ان تمام کوششوں میں سخت ناکامیابی ہوئی، نہ کعبہ کی تقدیس کو وہ صدمہ پہنچا سکا اور نہ وہ مکہ کی مرکزیت و اہل مکّہ کی مرجعیّت کا خاتمہ کر سکا اس بنا پر اس کی آتشِ غضب بھڑک اٹھی ہو گی۔ اسی اثناء میں کلیسا میں نجاست ڈالنے

۱ھ محمد بن حبیب نے ایلاف کے معنی العہود یعنی پروانے لکھے ہیں، کتاب المحبر ص ۱۶۲، اس واقعہ کی تفصیل کے لیے دیکھیے یعقوبی ج ۱ ص ۲۸۳، ابن سعد ج ۱ ص ۴۳ و ۴۵، بعض مفسرین نے سورۂ ایلاف کی تفسیر میں اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

اور آگ لگنے کے واقعات پیش آ گئے ہوں گے، جن کو اس نے اپنے حملہ کا بہانہ بنا لیا، جیسا کہ آج کل کی حکومتیں ایک دوسرے پر حملہ کرنے کے لئے اس طرح کے بہانوں کی تلاش میں رہتی ہیں۔

اس حملہ میں ابرہہ کو سخت ناکامیابی ہوئی، یہ واقعہ ۵۷۰ء میں ہوا، اسی سال رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی۔

حبشہ اور عربوں کے تعلقات میں تجارتی کاروبار اور ایک دوسرے کے ملک میں آمدورفت کو بھی دخل تھا، جس کا سلسلہ قدیم زمانہ سے قائم تھا، عرب تاجر اپنے ملک سے چمڑے، گوند، لوبان اور اونی کپڑے حبشہ لے جاتے تھے اور وہاں سے غلہ لاتے تھے۔

بعثت نبوی کے وقت رومیوں اور حجازی عربوں کے تعلقات کشیدہ نظر آتے ہیں۔ اور ان کا میلان رومیوں سے زیادہ ایرانیوں کی طرف معلوم ہوتا ہے، چنانچہ قریشی تاجروں کو رومیوں کے مقبوضات میں جو پہلے سہولتیں حاصل تھیں، وہ غالباً ختم ہو گئی تھیں، بلکہ رومی ان پر بڑے سخت ٹیکس عائد کرنے لگے تھے۔ ہمارا قیاس ہے کہ رومیوں کی کشیدگی کا سبب تو حجاز میں ان کی سیاسی ناکامی ہوگی، اور ان کی طرف سے عربوں کی رنجش اور کدورت کا سبب ابرہہ کا حملہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ حجاز کے علاوہ دوسرے حصہ کے عربوں اور رومیوں میں اب بھی تعلقات ویسے ہی قائم تھے۔ ایرانیوں کی طرف ان کے میلان کی کوئی وجہ بظاہر سمجھ میں نہیں آئی، بجز اس کے کہ وہ بھی بُت پرست تھے۔ اور عرب[1] بھی۔ غرض ظہور اسلام کے وقت عام طور پر مشرکین حجاز رومیوں کو ناپسند اور ایرانیوں کو پسند کرتے تھے۔ چنانچہ بعثت نبوی کے کئی سال بعد رومیوں اور ایرانیوں میں ایک زبردست جنگ ہوئی، جس میں رومیوں کو بڑی سخت شکست

---

[1] عام مفسرین یہی وجہ بتلاتے ہیں لیکن اگر یہی وجہ تسلیم کر لی جائے تو حبشہ سے بھی ان کے تعلقات کشیدہ ہونے چاہئیں مگر ایسا نہیں تھا بلکہ حبشہ کی حکومت اہل مکہ کے تعلقات ظہور اسلام کے وقت بالکل استوار تھے ممکن ہے کہ اس میں نجاشی کی طبعی نیکی و شرافت کو دخل ہو۔

ہوئی تھی، اس شکست سے اہل مکہ بہت خوش ہوئے، مگر مسلمانوں کو اس سے بہت رنج ہوا، جس کی وجہ سے سورہ روم کی یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

الٓمٓ غلبت الروم فی ادنی الارض — اہل روم مغلوب ہو گئے، ایک قریب کے
وھم من بعد غلبھم سیغلبون — ملک میں اور اس کے بعد عنقریب چند
فی بضع سنین — برسوں میں وہ پھر غالب ہوں گے۔

چنانچہ قرآن کی یہ پیشین گوئی پوری ہوئی یعنی یہ کہ چند برس کے بعد رومیوں[1] اور ایرانیوں کو شکست ہوئی، آپ اس وقت مدینہ میں جلوہ فرما تھے اور عین غزوۂ بدر کے روز یہ خوشخبری مسلمانوں کو ملی

مختصر یہ کہ ان ہی قدیم و جدید تعلقات کی بناء پر جزیرۂ عرب کے تقریباً ہر حصہ میں عیسائیت پھیل گئی، اب ہم ان مقامات اور قبائل کا نام بنام ذکر کرتے ہیں، جن میں ظہور اسلام کے وقت عیسائیت موجود تھی۔

---

[1] یورپین مؤرخین متفقہ لکھتے ہیں روم زوال و انحطاط کی آخری حد تک پہنچ چکا تھا۔ اور ایرانیوں سے شکست کھانے کے بعد اس کی رہی سہی قوت بھی ختم ہو گئی تھی، ایسی حالت میں قرآن کا چند سال میں ان کے دوبارہ غالب آنے کی پیشین گوئی کرنا اور پھر اس کا پورا ہونا قرآن کا کھلا ہوا معجزہ ہے۔

اس سلسلہ میں مفسرین نے لکھا ہے کہ جب ایرانیوں کو فتح ہوئی تو اہل مکہ خوش ہوتے، مگر مسلمانوں کو اس بناء پر کہ یہ اہل کتاب ہیں اس سے رنج ہوتا ہے ۶۱۶ء میں بعثت نبوی کے چھ برس بعد رومیوں کو سخت ہزیمت ہوئی اور قیصر روم کو قسطنطنیہ میں پناہ لینی پڑی، مشرکین عرب کو ایرانیوں کے اس فتح کی اطلاع ہوئی تو وہ بہت خوش ہوئے بعض مشرکین نے حضرت ابوبکر صدیق رضی سے کہا کہ آج ہمارے بھائی ایرانیوں نے تمہارے بھائی رومیوں پر فتح پائی ہے کل ہم بھی تمہیں اسی طرح مٹا دیں گے قرآن نے اسباب ظاہری کے خلاف یہ پیشین گوئی کی، حضرت ابوبکر رضی نے اس بناء پر مشرکین مکہ سے یہ شرط لگائی کہ اگر نو برس کے اندر رومی دوبارہ ایرانیوں پر فتح یاب نہ ہوئے تو میں تم کو سو اونٹ دوں گا، اور اگر کامیاب ہوئے تو تم لوگ مجھے اتنے ہی اونٹ دو گے چنانچہ ۷ برس کے اندر رومیوں نے فتح پائی اور ابوبکر رضی نے ان سے سو اونٹ لے لیے
(طبری تفسیر سورۂ روم)

نجران نجران یمن میں ایک مشہور مقام تھا، یہ اپنی زرخیزی وشادابی اور صنعت وحرفت اور تجارت کی وجہ سے پورے یمن میں مشہور تھا، سب سے پہلے یہاں کون لوگ آباد ہوئے، اس میں اختلاف ہے، تاہم یہ مسلّم ہے کہ بنو اسماعیل یہاں قدیم زمانے سے آباد تھے، اس کے بعد یہاں یہودیت اور پھر عیسائیت پھیلی، عیسائیت کی ابتداء کب ہوئی؟ اس کا صحیح تعین مشکل ہے معجم البلدان میں ہے کہ فیمیون ایک نصرانی عابد تھا، اسی کے ذریعے یہاں عیسائیت کی ابتداء ہوئی، لیکن اس سے سنہ کا تعیین نہیں ہوتا، البتہ اوپر یمن کے سلسلہ میں جو کچھ لکھا گیا ہے۔ اس سے سنہ کا تو نہیں، مگر زمانہ کا تعین کیا جاسکتا ہے، یعنی یہ کہ اس کی ابتداء بعثت نبوی سے ایک صدی پہلے ہو چکی تھی۔

سیاسی اور اقتصادی اہمیت کی بناء پر یمن ہمیشہ سیاسی تغیرات وانقلابات کی آماجگاہ رہا، نجران چونکہ اس کا ایک حصہ تھا، اس لیے لازمی طور پر اس کا اثر اس پر بھی پڑتا تھا، حمیری حکومت کے زمانہ میں یہاں یہودیت کو فروغ ہوا۔ یمن میں عیسائی حکومت قائم ہوئی تو نجران عیسائیت کا سب سے بڑا مرکز بن گیا، یہاں ایک بہت بڑا کلیسا تھا جس کو عبدالمدان نے بنوایا تھا۔ اور جو "کعبۂ نجران" کے نام سے مشہور تھا[1]، اس کی تعمیر کا بھی وہی مقصد تھا، جو صنعا میں ابرہہ کے تعمیر کردہ کلیسا کا تھا۔

اسلام کے ظہور کے وقت نجران میں ایک چھوٹی سی عیسائی ریاست قائم تھی، جس کا یمن کی مرکزی حکومت سے کوئی تعلق نہیں تھا، بلکہ وہ براہِ راست قیصر روم کے ماتحت تھی، اس کا نظم تین شعبوں میں منقسم تھا اور ان میں سے ہر ایک کا ایک علیحدہ ذمہ دار تھا، خارجی اور جنگی امور جس سے متعلق ہوتے اس کو سید کہتے تھے۔ دنیاوی داخلی امور جس کے سپرد ہوتے اس کو عاقب اور دینی امور کا جو ذمہ دار ہوتا اس کو اسقف کہتے تھے۔ ان عہدہ داروں کا تقرر

---

[1] معجم البلدان ج ۸ ص ۲۶۲، فجر الاسلام ص ۳۰

خود قیصر کرتا تھا[1]۔ اس وقت سید کے عہد پر ابو حارثہ نامی ایک شخص قابض تھا، جس کا نسبی تعلق بکر بن وائل سے تھا، زرقانی نے لکھا ہے کہ عربوں میں سے جب کوئی آدمی نصرانیت قبول کر لیتا تھا تو قیصر کو اس سے بڑی خوشی ہوتی تھی، چنانچہ جب ابو حارثہ نے نصرانیت قبول کی تو وہ اس قدر خوش ہوا کہ اس کے سامنے مال و دولت کا ایک ڈھیر لگا دیا اور غالباً اسی وقت اس عہدہ پر سرفراز کیا گیا۔

سنہ ۷ھ میں ساٹھ آدمیوں پر مشتمل ایک وفد نجران سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا، جس میں اس ریاست کے تینوں ذمہ دار عہدہ دار بھی تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسلام کی دعوت ان کے سامنے پیش کی، مگر انہوں نے قبول نہیں کیا، سالانہ ٹیکس کی ادائیگی کے وعدہ پر آپ نے ان سے مصالحت کر لی اور ان سے ایک معاہدہ ہو گیا، مگر واپسی میں اس وفد کے دو ارکان ابو حارثہ اسقف نجران اور اس کے بھائی کرز بن علقمہ میں کچھ ایسی باتیں ہو گئیں کہ راستہ ہی سے ابن علقمہ مدینہ واپس آئے اور حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ ان کا تذکرہ اس کتاب میں موجود ہے، ان کے علاوہ نجران کے اور افراد نے بھی اسلام قبول کر لیا، ان کا بھی ذکر اس کتاب میں ہے۔

نجران کی اہمیت کی وجہ سے اس کا ذکر ذرا تفصیل سے کیا گیا ہے، اس کے علاوہ دومۃ الجندل، بحرین، معان، ایلہ، اذرح، جربا، مقنا، عمان وغیرہ میں بھی عیسائیت موجود تھی۔ جن میں سے اکثر کی جغرافیائی اور تاریخی حیثیت کا ذکر یہود کے سلسلہ میں آچکا ہے ان میں سے بعض میں ماتحت عیسائی حکومتیں بھی قائم تھیں، ان مقامات کے علاوہ جزیرۂ عرب کی تقریباً تمام مشہور بستیوں میں عیسائی موجود تھے، مثلاً مکہ، طائف، مدینہ اور وادی القریٰ وغیرہ وادی القریٰ میں تو ان کے متعدد گرجے بھی تھے۔ (فجر الاسلام ص ۲۹)

---

[1] فجر الاسلام ص ۳۰

جن قبائل میں عیسائیت فروغ پا چکی تھی یا پا رہی تھی ان کے نام یہ ہیں۔

قبیلۂ غسان یہ یمنی قبیلہ ہے، سدمارب کے ٹوٹنے کے بعد یہ جزیرۂ عرب کے شمال مغربی سرحدی مقام پر آباد ہو گیا تھا، مزید تفصیل آچکی ہے۔

بنو تغلب مشہور عدنانی قبیلہ ربیعہ کی ایک شاخ ہے اسی کے قریب عرب کا ایک مشہور قبیلہ بکر بھی آباد تھا، بکر و تغلب کی لڑائی، عرب جاہلیت کی تاریخ کا ایک مشہور واقعہ ہے۔

یہ قبیلہ جزیرہ عرب کے شمال مشرق میں اس تجارتی راستہ پر آباد تھا، جو عرب سے عراق کو جاتا ہے، یہ مقام اپنے جائے وقوع اور تجارتی اعتبار سے بہت اہم تھا اور ایران کی سرحد کے قریب بھی پڑتا تھا، بہت ممکن ہے۔ اسی وجہ سے نصرانیوں نے اس کو اپنانے اور زیر اثر لانے کی کوشش کی ہو، بہر حال اس میں عیسائیت موجود تھی، یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ یہاں عیسائیت کی ابتداء کب ہوئی؟ ارباب سیر و طبقات صرف اتنا لکھتے ہیں کہ یہ قبیلہ نصرانی ہو گیا تھا، اسد الغابہ میں ہے۔

ان کثیراً من العرب	بہت سے عرب قبائل نے نصرانیت قبول
قد تنصر کتغلب [۱]	کر لی تھی، ان میں بنو تغلب کا قبیلہ بھی تھا۔

ابن قتیبہ اور یعقوبی [۲] وغیرہ نے بھی ان کے نصرانی ہونے کی توثیق کی ہے، اس قبیلہ کے متعدد افراد مشرف بہ اسلام ہوئے، جن کے تذکرے اس کتاب میں موجود ہیں۔

ظہور اسلام کے بعد عہد نبوی اور عہد صدیقی میں اس قبیلہ کا ذکر بہت کم بلکہ بالکل نہیں ملتا، البتہ ابن قتیبہ کے بیان سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ عہد فاروقی تک یہ لوگ مذہب نصرانیت پر قائم رہے۔ حضرت عمرؓ نے اس بناء پر ان پر جزیہ عائد کرنا چاہا

---

[۱] اسد الغابہ ج ۵ ص ۲۲۲ و ج ۱ ص ۵۷ [۲] یعقوبی ص ۲۹۸

تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے، زرعہ بن نعمان بارگاہ خلافت میں آئے اور عرض کیا کہ یہ عرب ہیں اس لیے ان کو جزیہ دینا گوارا نہیں ہے، دوسرے یہ شجاع اور طاقت ور ہیں، ان کو دشمنوں کے ہاتھ میں جانے نہ دیں (یعنی اگر آپ ان پر جزیہ لگائیں گے تو یہ رومیوں سے مل جائیں گے) بلکہ ان پر زیادہ سے زیادہ صدقہ دوگنا کر دیں اور ارشاد فرمادیں کہ آئندہ اپنی اولاد کو نصرانی نہ بنائیں[1]، چنانچہ حضرت فاروق رضؓ نے زرعہ کے حسب مشورہ اسی پر عمل کیا۔

بنو کلب یہ قبیلہ بھی نصرانی تھا اور دومۃ الجندل کے پاس آباد تھا، ظہور اسلام کے وقت دومۃ الجندل کا عیسائی حاکم اکیدر تھا، اس میں متعدد ایسے قبائل تھے، جو بڑے اثر و رسوخ کے مالک تھے، قبیلہ کلب خاص طور سے بہت ممتاز اور حکومت کا حریف تھا[1]، اس کا اثر تبوک تک پھیلا ہوا تھا، ظہور اسلام کے وقت اس قبیلہ کے سردار اصبغ تھے، جو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ کی کوششوں سے حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تھے اور اپنی صاحبزادی تماضر کو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ کے حبالۂ عقد میں دے دیا تھا[2]، ان کے اور ان کی صاحبزادی کے حالات اس کتاب کے آئندہ صفحات میں درج ہیں۔

ابن خلدون نے لکھا ہے کہ بنو کلب کی ایک کثیر تعداد اس وقت بھی (یعنی آٹھویں صدی ہجری میں) خلیج قسطنطنیہ کے ساحل پر آباد ہے، اس میں سے کچھ مسلمان ہیں اور کچھ عیسائی[3]

قضاعہ پورے قبیلہ میں تو نہیں مگر اس کے بعض خاندانوں میں نصرانیت تھی، یہ حجاز و شام کے تجارتی راستہ پر تبوک کے قریب آباد تھا، کثرت تعداد اور فوجی قوت کی وجہ سے اس کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ اور جس مقام پر آباد تھا، وہ مقام بھی جغرافیائی حیثیت سے بڑا اہم تھا، یہ قبیلہ رومیوں کے زیر اثر تھا۔

اسی طرح بنو تمیم کے بعض افراد نے عیسائیت قبول کر لی تھی، عرب کا مشہور اور بزم معلقہ

---

[1] ابن قتیبہ ص ۲۴۹   [2] ابن خلدون ج ۲ ص ۲۴۹

[3] ایضاً

کا صدر نشین شاعر امراء القیس اسی قبیلہ سے تھا۔ جس کی بناء پر بعض عیسائی مستشرقین نے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ عیسائی تھا، حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے۔ البتہ اس کے خاندان کے بعض افراد نصرانی ضرور تھے۔

ربیعہ جس کی ایک شاخ بنو تغلب تھی، جس کا ذکر اوپر آچکا ہے، اس کے بعض دوسرے خاندانوں میں بھی نصرانیت تھی۔[۱]

اسی طرح یمن کے مشہور قبیلہ طے میں بھی نصرانیت کا پتہ چلتا ہے، حضرت عدی بن حاتم رضؓ اور ان کی ایک بہن کا تذکرہ اس کتاب میں آیا ہے، یہ دونوں اسی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے اور عیسائی تھے۔

قبیلہ عبد القیس جو عمان کے قریب آباد تھے۔ اس میں بھی نصرانیت موجود تھی، حضرت جارودؓ جن کا تذکرہ اس کتاب میں موجود ہے، اسی قبیلہ سے تھے۔

ان کے علاوہ تنوخ، لخم، مذحج، بہرا، سلیح وغیرہ قبائل نے بھی نصرانیت قبول کر لی تھی اور ان میں سے بیشتر بالکل رومیوں کے زیر اثر تھے، جنگِ موتہ میں یہ سب کے سب رومیوں کی حمایت میں مسلمانوں کے خلاف صف آرا تھے۔[۲] ان میں سے بیشتر کو قیصر روم کی طرف سے سالانہ پندرہ سیر سونا بطور وظیفہ ملتا تھا۔[۳]

اس تفصیل سے اندازہ ہو گیا ہوگا کہ پورے جزیرہ میں نصرانیت کی ترقی و فروغ کے لیے عیسائی حکومتوں نے کتنا لمبا جال بچھا رکھا تھا۔ اس کے لیے کیا کیا تدبیریں وہ اختیار کر رہی تھیں اور کتنی رشوتیں دے رہی تھیں اور یہ سلسلہ برسوں سے نہیں صدیوں سے جاری تھا، لیکن ان تمام کوششوں اور تدبیروں کے باوجود کم سے کم حجاز میں تو عیسائیت کا اثر برائے نام ہی پیدا ہو سکا، جس کو قبضہ میں لانے اور اس پر اپنا اثر قائم کرنے کے لئے انہوں نے کیا کیا جتن نہ کر ڈالے تھے؟

---

[۱] معارف ابن قتیبہ ص ۲۶۶ ، تہذیب الاسماء ج ۲ ص ۲۹۳ [۲] ابن ہشام ذکر جنگ موتہ [۳] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی ڈاکٹر عبد الحمید صاحب ص ۲۵۸۔

اس کے مقابلہ میں اسلام نے پورے جزیرہ میں چند برسوں میں عظیم الشان اور حیرت انگیز انقلاب برپا کر دیا۔ جس نے چشم زدن میں پورے عرب کی کایا پلٹ دی۔ اس کے لئے نہ کوئی سیاسی چال چلی گئی، نہ کوئی اقتصادی دباؤ ڈالا گیا اور نہ جبر و زور سے کام لیا گیا، بلکہ اس کی دعوت، تبلیغ اور اعلیٰ اخلاقی تعلیمات اور پھر اس کے مظاہر سے سارا عرب مسحور اور حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔

حیرہ عیسائیت کے مذہبی اثرات جزیرہ عرب کے اندرونی مرکزی مقامات کے علاوہ ایک سرحدی مقام حیرہ میں بھی کچھ نہ کچھ موجود تھے۔ حالانکہ وہ ایرانیوں کی باج گذار ریاست تھی جہاں قبیلہ لخم کی حکومت تھی۔ لخم کے متعلق اوپر آچکا ہے کہ اس میں نصرانیت تھی۔ اس کے حکمران نعمان کے متعلق لکھا ہے کہ عدی بن زید ایک نصرانی شاعر نے اس کو ایک دن نصیحت کی، اس نصیحت کا اس پر ایسا اثر ہوا کہ اس نے فوراً نصرانیت قبول کر لی اور تخت و تاج کو خیر باد کہہ دیا[1] اسی طرح نعمان خامس کی بیوی بھی عیسائی ہو گئی تھی۔ اس کا نام ہند تھا، اس نے اپنے نام سے ایک کلیسا "دیر ہند" بنوایا تھا۔ طبری نے لکھا ہے کہ یہ ہمارے زمانہ تک یعنی تیسری صدی ہجری تک موجود تھا[2]، اس کے علاوہ حیرہ میں اور بھی متعدد گرجے تھے۔ خصوصیت سے "دیر حنظلہ" بہت مشہور تھا، جس کو حیرہ کے ایک حکمران ایاس بن قبیصہ کے چچا حنظلہ نے بنوایا تھا[3]۔

حیرہ کا ذکر یہاں اس لیے کیا گیا کہ یہ جزیرہ کا سرحدی مقام تھا، جہاں عرب آباد تھے اور وہی حکمران بھی تھے پورے عرب میں غالباً حیرہ ہی ایک ایسا مقام تھا جہاں عیسائیت نے بغیر کسی مادی سہارے اور حکومت کی پشت پناہی کے کسی قدر رواج پایا،

---

[1] فجر الاسلام ص ۳۱ [2] معجم البلدان ج ۴ ص ۱۸۳

[3] تفصیل کے لیے دیکھئے معجم البلدان ج ۴ ص ۱۲۰ تا ۱۸۵۔

عیسائیوں اور عربوں کے سیاسی تعلقات اور مذہبی اثرات کے نتائج

اوپر جو تفصیل کی گئی ہے، اس سے جزیرہ عرب میں عیسائیوں کے سیاسی اور مذہبی اثرات کا اندازہ ہو گیا ہوگا۔ لیکن اس کا ایک پہلو اب بھی تشنۂ تفصیل ہے۔ وہ یہ کہ عربوں کے ذہن و دماغ اور علم و تمدن پر اس کا مجموعی اثر کیا مترتب ہوا؟ یہاں مختصراً اس پر کچھ روشنی ڈالی جاتی ہے۔

نصرانیت کے فروغ سے جاہلی عربوں کے تمدن اور ان کے ذہن و دماغ میں جو تغیر ہوا اس کی پوری نشان دہی تو مشکل ہے تاہم ان کی تاریخ کے قدیم واقعات ان کے علوم وفنون اور ادب و شاعری کے جو نمونے اب تک محفوظ رہ گئے ہیں۔ ان سے اس کی کچھ نہ کچھ عکاسی ضرور ہوتی ہے۔

ثقافتی و تمدنی اثرات

اوپر قصی کے مکہ پر قابض ہونے کا ذکر آچکا ہے۔ قصی سے پہلے غالباً یہاں کوئی نظم ونسق اور کسی قسم کی سیاسی وحدت نہیں تھی، انھوں نے مکہ پر قبضہ کرنے کے بعد اس کو ایک چھوٹی سی باقاعدہ ریاست میں تبدیل کر دیا جس کے متعدد شعبے اور عہدے تھے اور جن میں سے اکثر ظہور اسلام تک باقی تھے۔ اس مختصر سی ریاست کا سکریٹریٹ یا مرکزی دفتر دارالندوہ تھا۔ جہاں ریاست سے متعلق جملہ مہمات امور طے ہوتے تھے۔

قصی کا یہ نظام حکومت خود ساختہ نہیں، بلکہ بڑی حد تک ان تعلقات کا رہین منت معلوم ہوتا ہے، جو ان کے اور رومیوں کے درمیان قائم ہو چکے تھے۔ اس نظام حکومت کے بارے میں ڈاکٹر حمید اللہ صاحب لکھتے ہیں۔

"اہل شہر پر سالانہ ٹیکس اندازی وغیرہ فینیقی اور اس سے زیادہ یونانی شہری مملکتوں سے مکے کی شہری مملکت غیر معمولی مشابہت رکھتی ہے"۔ (سیاسی زندگی ص ۲۵۹)

ظہور اسلام سے پہلے عربوں کے سماجی نظام اور آس پاس کے ملکوں اور قوموں سے

ان کے تجارتی اور سفارتی تعلقات وغیرہ کے جو واقعات و حالات تاریخوں میں محفوظ ہیں وہ بھی نصرانیوں کے تمدنی اثرات کی غمازی کرتے ہیں۔

علمی اثرات

نصرانیت یونان و اسکندریہ میں پروان چڑھی تھی۔ اس لیے وہ جہاں بھی گئی اپنے ساتھ وہاں کے علوم و فنون مثلاً طب، نجوم اور مابعد الطبیعاتی افکار بھی لیتی گئی۔ نصرانیت کو ان علوم کی اور خصوصیت سے فلسفہ اور نجوم کی مذہبی حیثیت سے بھی ضرورت تھی۔ آپ دیکھیں گے کہ عیسائیوں کے علماء اور مذہبی پیشوا مذہبی سے زیادہ فلسفی ہوتے تھے۔ اس لیے کہ نصرانی ثقافت اور مذہب کی اشاعت میں ان کو ان علوم سے بہت کافی مدد ملتی تھی، ظاہر ہے کہ عرب میں اس کے قدم آئے ہوں گے تو یہ علوم بھی اس کے ساتھ لگے لپٹے آئے ہوں گے، خیال ہوتا ہے کہ بعثت نبویؐ سے پہلے عربوں میں علمِ نجوم، طب اور مابعد الطبیعاتی تصورات و افکار کے جو اثرات بھی نظر آتے ہیں۔ اس کے فروغ میں نصرانیت کو ضرور دخل تھا۔ اس خیال کی مزید تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ عہد اسلام کے بعد یونانی علوم و فنون کا جو سرمایہ عربی میں منتقل ہوا، وہ زیادہ تر نصرانی ہی علماء و مترجمین کی سرکردگی میں ہوا۔ خصوصیت سے فلسفہ و طب کا شعبہ تو کئی صدیوں تک ان ہی کے زیر اثر رہا۔

ادب و شعر

عربی ادب و شاعری میں بے شمار ایسے الفاظ، جملے، ترکیبیں اور خیالات ملتے ہیں۔ جو نصرانیت کے اثر کا بیّن ثبوت ہیں۔

جاہلی ادب و شعر کا اگر ہم لغوی جائزہ لیں تو زمین کی پستی و بلندی، پہاڑ کے نشیب و فراز راستوں کی فراخی و تنگی، صحرا کی خشکی و ویرانی کے لیے سینکڑوں ہزاروں الفاظ مل جائیں گے۔ جن سے ان مناظر و کیفیات کا پورا نقشہ کھنچ جاتا ہے۔ لیکن اگر آپ سمندر اور اس کے متعلقات کے الفاظ کے لیے عربی لُغت کو کھنگالیں تو مشکل سے چند الفاظ ملیں گے۔ ان میں بھی خالص عربی تو بہت کم ہوں گے۔ اونٹ، تلوار اور سانپ کے نام اور ان کے متعلقات کے لئے عربی لغت کا دامن تو بڑا وسیع ہے، لیکن کشتی، کشتی رانی، سمندری سفر اور اس کے لوازم

ضروریات کے لیے مشکل سے دس بیس الفاظ ملیں گے اور جو ہوں گے بھی وہ دوسری زبانوں سے مستعار ہوں گے۔ یہ تو محسوسات کا حال ہے۔ لیکن معنوی کیفیات کا حال بھی اس سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے۔ خوشی و مسرت، لہو و لعب، عیش و تنعم کے حالات و جذبات کے اظہار کے لیے عربی لغت میں الفاظ کی اتنی بہتات نہیں ہے۔ جتنی بہتات فقر و فاقہ، حزن و ملال اور قتل و خونریزی کے الفاظ و محاورات کی ہے۔

غرض یہ ہے کہ عربی ادب و شاعری کا نشو و نما جس سرزمین میں ہوا، اس میں اس کے اثرات زیادہ نمایاں ہیں، لیکن جوں جوں عربوں کا اختلاط ان قوموں سے بڑھتا گیا، جو علم و تمدن میں ان سے ترقی یافتہ تھیں تو ان کے ادب و شعر میں بھی ان کے آثار نمایاں ہوتے چلے گئے اور ظاہر ہے کہ عربوں کو سب سے زیادہ جن ترقی یافتہ قوموں سے اختلاط کا موقع ملا۔ ان میں ایرانی، یہودی اور نصرانی سب سے زیادہ نمایاں ہیں۔

ایرانیوں کے اثرات کی بحث تو ہمارے موضوع سے خارج ہے اور یہودیوں کے اثرات کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے۔ اب چند سطریں نصرانیوں کے اثرات پر لکھی جاتی ہیں۔ غسانی گو نسلاً عرب تھے۔ مگر رومیوں سے صدیوں کے تعلقات کی وجہ سے بہت زیادہ گھل مل گئے تھے اور ان کے علم و تمدن کا اتنا گہرا اثر قبول کیا تھا کہ ظہور اسلام کے وقت وہ عرب سے زیادہ رومی معلوم ہوتے تھے مگر اس کے باوجود بھی ان کا تعلق جزیرہ عرب سے منقطع نہیں ہوا تھا۔ اس لیے اس دوگونا تعلق کی وجہ سے۔ نصرانی علم و تمدن کے عرب میں فروغ پانے کا بہت بڑا ذریعہ بن گئے۔

جزیرہ کے ہر حصہ کے عربی شعراء اپنے ان عیسائی بھائیوں کے پاس جاتے تھے ان کو اپنا کلام سناتے تھے۔ انعام و کرام حاصل کرتے تھے۔ اور ان کے عیش و تنعم سے متاثر ہوتے تھے۔ نابغہ ذبیانی، اعشیٰ، المرقش الاکبر اور علقمۃ الفحل جیسے مشہور روزگار و صاحب کمال شعراء غسانیوں کے دربار میں گئے اور ان سے خراج تحسین وصول کیا۔ ان ہی کے بارے میں

حضرت حسان رضؓ نے جاہلیت کے زمانہ میں کہا تھا۔

للّٰہ در عصابۃ نادمتھم یوماً بجلّق فی الزمان الاول

خود حضرت حسان رضؓ کو غسانیوں نے ایک دعوت میں جو وہاں کے حکمران جبلہ بن ایہم کے اہتمام میں ہوئی تھی، مدعو کیا تھا۔ جب وہ وہاں سے واپس آئے تو لوگوں سے کہا کہ نہ میری آنکھوں نے ایسا منظر اس سے پہلے دیکھا اور نہ میرے کانوں نے سنا ہے[1]۔ پھر انہوں نے اس مجلس کی ایک ایک چیز کی شاعرانہ زبان میں تعریف کی اس سے غسانیوں کے تمدن و تہذیب کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ان کے متعلق لاتعداد قصص و امثال اور ان کے عیش و تنعم اور علم و عمران کے سینکڑوں واقعات عربی ادب و شاعری میں ملیں گے۔ نصرانی اور ان سے متاثر شعراء کے کلام پر آپ نظر ڈالیں گے تو آپ کو اس اثر کی بہت مثالیں ملیں گی۔

امیہ بن الصلب نے سب سے پہلے باسمک اللّٰھم کے لفظ سے عربوں کو روشناس کیا۔ اسی طرح اما بعد کو سب سے پہلے قس بن ساعدہ نے استعمال کیا۔ امیہ صحفِ قدیم کا عالم تھا۔ وہ اپنے اشعار میں ایسے بہت سے الفاظ استعمال کرتا تھا، جو اس سے پہلے عربی زبان میں رائج نہیں تھے۔ مثلاً "قمرو ساھور" "یُسَل" "وَیغمد" اسی طرح اللّٰہ کے لیے "سلط" اور تعزور و غیرہ کے الفاظ اس نے استعمال کئے[2]

مفسرین نے لکھا ہے کہ قرآن میں عراقی، سریانی، رومی اور حبشی زبان کے متعدد الفاظ اور ترکیبیں استعمال ہوئی ہیں۔ عبرانی الفاظ کی تفصیل تو یہودیت کی تاریخ کے سلسلہ میں اوپر آچکی ہے کہ یہ زبان زیادہ تر یہود ہی سے مخصوص تھی، مگر نصرانیوں میں ان کے مختلف علاقوں میں مختلف زبانیں رائج تھیں۔ مثلاً سریانی، رومی، حبشی وغیرہ ان زبانوں کے جو الفاظ اور فقرے قرآن پاک میں آئے ہیں، وہ یہ ہیں۔

---

[1] اغانی ج ۱۹ ص ۱۴ نجر الاسلام ص ۳۰ [2] فجر الاسلام ص ۳۲

تعزورو غیرہ کے الفاظ اس نے استعمال کئے[2]

سریانی الفاظ:

فردوس، طہٰ، طور، ہیت لک، ولات حین مناص مین ولات،
ربانیون، ربیون، رہو، الیم، صلوت (کنایس) قنطار، ان کے علاوہ متعدد الفاظ
ایسے ہیں جو اشتقاق کے لحاظ سے تو عربی ہیں۔ مگر ان کے بہت سے معانی سریانی سے
آئے ہیں۔ مثلاً قیوم، اسفار، آذر، قمل، تسحد وغیرہ

رومی الفاظ:

قسطاس، رقیم، طفق اور قسطاس وغیرہ

حبشی الفاظ:۔

جبت، طاغوت، حوب، طوبیٰ، سکر، سجل، مشکوٰۃ، منساۃ، اس کے علاوہ اور
بھی متعدد الفاظ کو حبشی بتایا گیا ہے۔ یہ ساری تفصیل امام سیوطی کی کتاب المتوکلی اور ابن درید
کی کتاب الاشتقاق میں ملے گی۔

ابھی بعثت نبوی کے بعد مسلمانوں اور نصرانیوں کے اجتماعی اور سیاسی تعلقات ان کی
اخلاقی اور دینی حالت، قرآن و حدیث کی روشنی میں مومنین اہل کتاب کے فضائل و مناقب
وغیرہ کی تفصیل باقی تھی، مگر مجبوراً یہ سلسلہ ختم کیا جاتا ہے۔ اس لیے کہ ۱۹۵۱ء ختم ہو رہا ہے۔
اور حسب تجویز سال کے اندر اندر اس کتاب کا شائع ہو جانا ضروری ہے اور ابھی کتاب
کے نقشے اور ضمیمہ کی طباعت بھی باقی ہے۔ اب اگر چند صفحے اور بڑھائے گئے تو کتاب اس
سال شائع نہ ہو سکے گی۔

آخر میں اہل علم حضرات سے گزارش ہے کہ اگر مقدمہ یا نفس کتاب میں کوئی تاریخی غلطی
یا میرے ان قیاسات میں جو میں نے واقعات کی روشنی میں کیے ہیں۔ کوئی تضاد نظر آئے تو
راقم السطور کو اس سے مطلع فرما کر ممنون احسان فرمائیں گے۔

اس میں غلطی اور ترمیم و اضافہ کا اس لیے بھی اور زیادہ امکان ہے کہ اس سے پہلے

اس نفسِ موضوع پر کوئی کتاب نہیں لکھی گئی، بلکہ یہ نقشِ اول ہے، جس کو ایک نومشق طالب علم نے اپنی کم سوادی اور علمی بے بضاعتی کے باوجود صفحۂ قرطاس پر ثبت کرنے کی کوشش کی ہے۔

یہ کتاب صرف ایک دینی خدمت اور ایک علمی کمی کو پورا کرنے کے لیے لکھی گئی ہے خدائے قدوس سے دعا ہے کہ اسے قبول اور اس کی جزا آخرت میں عطا فرمائے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

خادم

مجیب اللہ ندوی، شبلی منزل اعظم گڑھ

۱۶ر صفر ۱۳۷۱ھ مطابق ۱۷ر نومبر ۱۹۵۱ء

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللهِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ

سلسلۂ دار المصنفین

اہل کتاب صحابہؓ و تابعینؒ

جس میں

ترانوے ۹۳ ایسے صحابہؓ، صحابیاتؓ، تابعین اور تابعاتؒ کے سوانح اور کارنامے درج ہیں، جو مذہباً یہودی یا نصرانی تھے، اور مشرف بالاسلام ہوئے۔ شروع میں ایک مقدمہ ہے، جس میں جزیرۂ عرب میں یہود و نصاریٰ کی قدیم تاریخ، ان کے تمدنی و سیاسی اثرات اور ان کی دینی و اخلاقی حالت کی تفصیل بیان کی گئی ہے،

مُرتّبہ

مولوی حافظ مجیب اللہ صاحب ندوی رفیق دار المصنفین